فہرست

❁ عرضِ مترجم 9

❁ مقدمہ مؤلف 10

پہلا باب
خوارج کے متعلق قانون الٰہی

پہلی فصل: خوارج کے متعلق احادیث 15

❁ پہلی حدیث 15

❁ دوسری حدیث 16

❁ تیسری حدیث 7

❁ چوتھی حدیث 17

❁ پانچویں حدیث 18

❁ چھٹی حدیث 18

❁ ساتویں حدیث 19

❁ آٹھویں حدیث 19

❁ نویں حدیث 20

❁ دسویں حدیث 20

❁ گیارھویں حدیث 21

❁ بارھویں حدیث 21

❁ تیرھویں حدیث 22
دوسری فصل: حکمرانوں کی اطاعت کے متعلق احادیث 24
❁ پہلی حدیث 24
❁ دوسری حدیث 24
❁ تیسری حدیث 24
❁ چوتھی حدیث 25
❁ پانچویں حدیث 25
❁ چھٹی حدیث 26
❁ ساتویں حدیث 26
❁ آٹھویں حدیث 27
❁ نویں حدیث 27
❁ دسویں حدیث 28
تیسری فصل: خوارج کی تعریف 30
چوتھی فصل: اہم مباحث 40
پہلا مبحث: جس نے بھی غیر کفریہ عمل کی بناپر تکفیر کی اور اسی کی بناپر بغاوت کی تو وہ بھی خارجی اور دین سے باہر ہے، وہ چاہے کبیرہ گناہوں کی بناپر کفر نہ بھی کرے 40
دوسرا مبحث: خوارج کے سنگین جرائم میں سے ذمیوں اور معاہدین کا قتل 46
تیسرا مبحث: اس بارے میں احادیث نبویہ کہ فاسق مسلم حکمران کے خلاف بغاوت کرنا جائز نہیں ہے، اور امت اسلامیہ کا اس پر اجماع ہے 47
چوتھا مبحث: کچھ اہل علم کی ظالم حکمرانوں کے خلاف بغاوت جواز کے لیے دلیل نہیں 51

پانچواں مبحث: حکمرانوں کے خلاف بغاوت کی ممانعت تمام لوگوں کے لیے ہے چاہے کسی نے بیعت کی ہو یا نہ کی ہو.......... 62
چھٹا مبحث: علمائے کرام اور حکمرانوں کے خلاف زبان درازی خروج کی بنیاد ہے. 66
ساتواں مبحث: حکمران کے خلاف بغاوت کے لیے تین شرائط ضروری ہیں 72
❁ اول: فعل کے لیے شرط 72
❁ دوم: فاعل کے لیے شرط 73
❁ سوم: پہلی دو شروط پوری ہونے کے بعد شرط دو امور پر مشتمل ہے 75
پانچویں فصل: خوارج کے شبہات کے متعلق اہم مباحث 80
پہلا مبحث: دو باتوں میں کمزور فرق: الحکم بغیر ما انزل اللہ کے تحت چند مسائل کا فیصلہ وضعی قوانین کے تحت کیا جائے یا مکمل قانون ہی شریعت سے ہٹ کر بنایا جائے. 80
دوسرا مبحث: اہل سنت کے ہاں اس مسئلے میں ضابطہ یہ ہے کہ واضح لفظوں میں بول کر یا لکھ کر حاکم کہے، محض عمل کافی نہیں ہے.......... 86
تیسرا مبحث: اہل سنت کے ہاں شرعی حکمران کون ہوتا ہے؟ 92

دوسرا باب
خوارج کی تاریخ اور ان کے متعلق قانون الٰہی

❁ تمہید 100
پہلی فصل: ماضی کی خارجی تحریکیں 106
پہلا مبحث: سیّدنا عثمان کے خلاف بغاوت 106
❁ اس فتنے کے نتائج 108
دوسرا مبحث: 38ہجری میں رونما ہونے والے خارجی 109
❁ اس فتنے کے نتائج 111

تیسرا مبحث:63ہجری میں اہل مدینہ کا یزید بن معاویہ کے خلاف خروج ..113
❁ اس فتنے کے نتائج 114
چوتھا مبحث: ابن اشعث کا خروج 81ہجری 116
❁ اس فتنے کے نتائج 120
پانچواں مبحث: یزید بن مہلب کا یزید بن عبد الملک کے خلاف انقلاب ... 122
چھٹا مبحث:126ہجری میں اموی خلیفہ ولید بن یزید کا قتل اور عباسی خلافت
کا آغاز 124
❁ اس فتنے کے نتائج 125
ساتواں مبحث: محمد بن عبد اللہ بن حسن بن زید بن حسن بن علی بن ابو طالب المعروف
"نفس الزکیہ" کا ابو جعفر منصور کے خلاف انقلاب 145ہجری 127
❁ اس فتنے کے نتائج 128
دوسری فصل: عصر حاضر میں باغی اور انقلابی تحریکیں 129
پہلا مبحث: مصر کی 1371ہجری بمطابق 1952ء کی تحریک 129
❁ اس تحریک کے نتائج 130
دوسرا مبحث: حرم مکی میں جھیمان کی تخریبی کاروائی 1400 ہجری
بمطابق 1979ء 133
❁ اس باغی تحریک کے نتائج 139
تیسرا مبحث: شام 1402ہجری میں سانحہ حماہ 1983ء 140
❁ اس انقلابی تحریک کے نتائج 141
چوتھا مبحث:1413ہجری میں سانحہ الجزائر 1991ء...................142
❁ اس تحریک کے نتائج 145

پانچواں مبحث: 1419ہجری میں القاعدہ کا فتنہ 1998ء 146
❁ اس تنظیم کے نتائج 150

تیسرا باب
عصر حاضر میں خروج کی صورتیں

❁ تمہید 153
پہلا مبحث: علمائے کرام کے فہم کو اہمیت نہ دیتے ہوئے اپنے فہم کو ترجیح دینا .. 154
دوسرا مبحث: نااہل اور جاہل لوگوں کو علامہ فہامہ بنا کر پیش کرنا اور ان کے موقف کو عوام میں مقبول کرنے کے لیے خوب القابات دینا 156
❁ علم کے دعویداروں کی علامات 159
تیسرا مبحث: حکمرانوں پر عوام الناس کے سامنے برملا طعن و تشنیع 171
چوتھا مبحث: مظاہرے، مارچ، دھرنے اور ہڑتالوں کا حکم 177
پانچواں مبحث: سلف کے منہج سے ہٹ کر گروہ بندی 183
اختتامیہ 192

❁❁❁❁

عرضِ مترجم

دین اسلام مکمل دین ہے،اس میں کسی قسم کی کمی یا بیشی کا امکان ممکن نہیں ہے، چنانچہ جس شخص یا گروہ نے اس میں کمی یا بیشی کی ذرہ سی بھی کوشش کی تو وہ جادۂ حق سے دور ہوتا چلا گیا، ایسے لوگوں کی صفات میں فتنۂ رفض، خروج اور تکفیر ایسی صفات ہیں جو عہدِ سلف میں ہی رونما ہو گئیں تھیں، اور اسی وقت سے سلف صالحین ان سمیت دیگر تمام فتنوں سے امت کو خبردار کرتے ہوئے چلے آئے ہیں۔

نیز نظریات کا علاج بات چیت سے شروع ہوتا ہے اور حکومت وقت کی جانب سے بزورِ شمشیر فتنے کے تابوت میں آخری کیل ٹھونکی جاتی ہے، لیکن بات چیت کے مراحل پھر بھی بند نہیں ہوتے، چنانچہ سلف صالحین کے نقش قدم پر چلتے ہوئے اسی مرحلے کو مزید تقویت دینے کی کوشش اس کتاب میں کی گئی ہے، اس کتاب کے مصنف عرب دنیا کے منجھے ہوئے سلفی مؤلف ہیں اور ان کے علم کی پختگی آپ کو اس کتاب کے مباحث پڑھتے ہوئے بھی محسوس ہو گی۔

چونکہ یہ کتاب مختصر بھی ہے اور جامع بھی تو مفادِ عامہ کے لیے اسے اردو زبان میں پیش کیا جا رہا ہے، ترجمہ کرتے ہوئے حتی الوسع کوشش کی گئی ہے کہ عام فہم اور سلیس ہو۔

اللہ تعالی سے دعا ہے کہ اللہ تعالی اس کام کو میرے ، میرے والدین اور جملہ معاونین کے لیے باعث اجر و ثواب بنائے۔ آمین

راقم الحروف

ابو عبد اللہ بن عبد العزیز

الریاض، سعودی عرب

شعبان 1438ھ مئی 2017

مقدمۂ مؤلف

تمام تعریفیں اللہ رب العالمین کے لیے ہیں، درود و سلام ہوں اشرف المرسلین، سید الاولین والاخرین ہمارے نبی محمد ﷺ پر، آپ کی آل، آپ کے صحابہ کرام اور آپ کے نقش قدم پر قیامت تک چلنے والے لوگوں پر۔

حمد وصلاۃ کے بعد!

مسلمانوں کے حالت پر نظر دوڑانے والے کو مسلم خطوں کے طول و عرض میں جو فتنہ ہر سو پھیلا ہوا نظر آئے گا، جس کی وجہ سے مسلمانوں میں چیخ و پکار اور پے در پے مشکلات پیدا ہو رہی ہیں وہ خوارج کا فتنہ ہے، خوارج امت کو تقسیم در تقسیم کرنے کے لیے کسی قسم کی کسر نہیں چھوڑ رہے، وہ فتنوں کی دہکتی آگ اور انگاروں میں امت کو جھونک رہے ہیں، اس پر مستزاد یہ ہے کہ وہ اسے امت کی خیر خواہی اور برائی کے خاتمے کے لیے سرانجام دے رہے ہیں، اللہ تعالی ہمیں غلط فہم سے محفوظ فرمائے۔

امت کی خیر خواہی کے ساتھ فریضۂ امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کا تقاضا تھا کہ ان گمراہ لوگوں کی گمراہی فاش کی جائے، ان کے نقش قدم پر چلنے اور ان کی راہ لینے سے نوجوانوں کو خبردار کریں، تاکہ ان کا شر کم سے کم پھیلے، اور اللہ تعالی کے دین کی اسی صورت پر عمل کریں جس طرح کہ اللہ تعالی نے اس دین کو شرک اور بدعات ملاوٹ سے پاک نازل فرمایا تھا۔

فتنوں کا ایک سنگین پہلو یہ بھی ہے کہ جس وقت فتنے بپا ہوتے ہیں تو انہیں صرف علمائے کرام ہی پہچان کر بچ پاتے ہیں، اور فتنوں کی حقیقت عوام الناس کے لیے اس وقت عیاں ہوتی ہے جب یہ امت کو تھپیڑے لگا کر واپسی کا رخ کر رہے ہوتے ہیں۔

چنانچہ نعیم بن حماد کتاب الفتن[1] میں کہتے ہیں:

''حذیفہ اور ابن مسعود کہتے ہیں کہ: ابتدا میں فتنوں کا معاملہ مشکوک ہوتا ہے اور جب یہ ختم ہونے پر آتے ہیں تو ان کی حقیقت آشکار ہوتی ہے "اس پر حذیفہ سے استفسار کیا گیا: "ابتدا سے کیا مراد ہے؟" تو انہوں نے کہا: "تلواریں سونت لی جائیں" پھر ان سے "ختم ہونے" کے بارے میں استفسار کیا گیا تو انہوں نے کہا: "جب تلواریں نیام میں ڈال دی جائیں۔''

امید ہے کہ اس کتاب سے فتنۂ خروج کی روک تھام میں مدد ملے گی، اس میں خوارج کی علامات، ان کی مذمت، اقسام اور خارجی تحریکوں کی تاریخ سمیت ان کے طریقہ واردات کا بھی ذکر ہے۔

میں نے اسے تین ابواب میں تقسیم کیا ہے:

پہلا باب: یہ شرعی باب ہے، اس میں خوارج کے متعلق احادیث میں ملنے والا تذکرہ جمع کیا گیا ہے، نیز ان کی اقسام اور ان کے شبہات زائل کرنے کے لیے مفید اشیا ہیں۔

دوسرا باب: یہ تاریخی باب ہے، اس میں مسلمانوں کی قدیم اور معاصر تاریخ میں گزرنے والی خارجی تحریکوں کے متعلق مختصر سا تعارف ہے، نیز اس میں خروج کے نقصانات اور خارجیوں کی وجہ سے مسلمانوں کو ہونے والے نقصانات کا ذکر کیا گیا ہے، تاکہ لوگوں کو عبرت ہو اور حکمرانوں کی اطاعت کے سلسلے میں صاحبِ شریعت ﷺ کے فرامین میں پنہاں حکمت و مصلحت عیاں ہو سکیں، نیز آپ ﷺ نے جہاں جہاں پر بغاوت اور خروج سے منع کیا ہے اس کی وجوہات سامنے آئیں کہ کیوں نبی ﷺ نے بغاوت سے منع فرمایا، مقصد صرف یہ ہے کہ مومنوں کا نبوی فرامین کے متعلق ایمان مزید پختہ ہو جائے اور نبی ﷺ کی تابعداری میں مزید ٹھوس پن آئے۔

---

(1) فتنوں سے بچاؤ کا باب

تیسرا باب: اس میں گزشتہ دونوں ابواب میں ذکر شدہ علامات کا موجودہ خارجی تحریکوں پر عملی انطباق کر کے دکھایا گیا ہے۔

اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ اس عمل کو خالص اپنی رضا کے لیے قبول فرمائے اور اس میں برکت ڈالے اور اگر اس میں کوئی غلطی یا کوتاہی ہے تو میرا سینہ سب کی اصلاحی آرا کے لیے ہمہ وقت کھلا ہے، اور اگر کوئی اس میں خیر و بھلائی والی بات ہے تو اس پر صرف اللہ تعالیٰ کی حمد و ثنا بیان کی جاسکتی ہے۔

کاتب السطور
فیصل بن قزاز الجاسم
عارضیہ - کویت
20 محرم 1426 بمطابق: 31 مارچ 2005ء

پہلا باب
خوارج کے متعلق قانونِ الٰہی

پہلی فصل:

خوارج کے متعلق احادیث

پہلی حدیث:

ابو سعید خدری کہتے ہیں کہ : "علی نے یمن سے خام سونا مٹی میں ملا ہوا رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں بھیجا تو رسول اللہ ﷺ نے اسے چار آدمیوں : اقرع بن حابس حنظلی، عیینہ بن بدر فزاری، علقمہ بن علاثہ عامری یہ بنی بن کلاب کے حلیف بھی تھے، اور چوتھے زید الخیر الطائی جو کہ بنی نبہان کے حلیف بھی تھے ان میں تقسیم کر دیا۔

راوی کہتے ہیں: قریش اس بات پر ناراض ہوئے اور انہوں نے کہا کہ : آپ نجد کے سرداروں کو دے رہے ہیں اور ہمیں نہیں دے رہے، تو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا : (میں نے یہ ان کی تالیفِ قلبی کے لئے کیا ہے)

پھر ایک آدمی گھنی ڈاڑھی ، باہر نکلے ہوئے گال، اندر گھسی ہوئی آنکھوں، ابھری ہوئی پیشانی اور اس کا سر مونڈا ہوا تھا، اس نے آکر کہا اے محمد! (ﷺ) اللہ سے ڈرو! تو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا اگر میں اللہ کی نافرمانی کروں تو اللہ کی فرمانبرداری کرنے والا کون ہے؟ یہ کیسے ہو سکتا ہے کہ اللہ تعالی نے مجھے اہل زمین پر امین بنایا اور تم مجھے امانتدار نہیں سمجھتے!!

راوی کہتے ہیں: [نبی ﷺ کا جواب سن کر] وہ آدمی چلا گیا تو لوگوں میں سے ایک شخص نے اس کے قتل کی اجازت طلب کی جو کہ غالباً خالد بن ولید تھے۔

تو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا اس آدمی کی نسل سے ایسی جماعت پیدا ہو گی جو قرآن تو پڑھے گی لیکن وہ ان کے حلق سے نیچے نہیں اترے گا[1]، اہل اسلام کا قتل کریں گے اور بت

---

(1) یعنی قرآن کریم کو سمجھے بغیر پڑھیں گے۔

پرستوں کو چھوڑیں گے[1]، وہ اسلام سے ایسے نکل جائیں گے جس طرح تیر شکار سے نکل جاتا ہے، اگر میں ان کو پاؤں تو انہیں لازمی طور پر قوم عاد کی طرح قتل کرو[2]۔"[3]

دوسری حدیث:

ابو سعید خدری کہتے ہیں کہ: "ہم رسول اللہ ﷺ کے ہمراہ تھے اور آپ ﷺ کچھ مال تقسیم فرمارہے تھے، آپ ﷺ کے پاس ذوالخویصرہ آیا-اس کا تعلق بنی تمیم سے تھا-اور کہا: اللہ کے رسول! عدل کرو!!، اس پر رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: (تیرا ستیاناس ہو! اگر میں انصاف نہ کروں تو انصاف کرنے والا کون ہے؟اور اگر میں عدل نہ کروں تو پھر توں انتہائی بد نصیب اور نقصان اٹھانے والا ہو گا)

تو اس پر عمر بن خطاب نے عرض کیا: "اللہ کے رسول! مجھے اس کی گردن اتارنے کی اجازت دے دیں" تو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا اسے چھوڑ دو کیونکہ اس کے ساتھی ایسے ہوں گے کہ تمہارا ایک آدمی اپنی نماز کو ان کی نماز سے حقیر تصور کرے گا اور اپنے روزے کو ان کے روزے سے حقیر جانے گا، قرآن پڑھیں گے لیکن وہ ان کے حلق سے تجاوز نہیں کرے گا۔ وہ اسلام سے اس طرح نکل جائیں گے جیسے تیر شکار سے نکل جاتا ہے کہ: تیر انداز اس کے بھالے کو دیکھتا ہے تو اس پر کوئی چیز لگی ہوئی نہیں پاتا، پھر تیر کی لکڑی اور بھالے کے جوڑ کو دیکھتا ہے تو اس پر بھی کوئی چیز لگی ہوئی دکھائی نہیں دیتی۔ پھر تیر کی لکڑی کو دیکھتا ہے تو وہاں بھی کچھ لگا ہوا نہیں پاتا، پھر وہ تیر کے آخر میں لگے ہوئے پروں کو دیکھتا ہے وہاں پر

---

(1) آج یہی صورت حال ہے، مسلمانوں کو بم دھماکوں، خود کش حملوں اور بارودی گاڑیوں سے ٹکرا کر اڑا دیا جاتا ہے۔

(2) ایک اور حدیث میں قومِ عاد کے ساتھ "ثمود" کا ذکر بھی ہے، امام قرطبی کے مطابق اس کا مطلب یہ ہے کہ: "نبی ﷺ انہیں قتل عام کے ذریعے یک لخت ختم فرمادیتے، کسی کو بھی باقی نہ چھوڑتے، ان میں سے کسی کو بھی قتل کرنے میں ذرا تامل نہ فرماتے، جیسے اللہ تعالی نے قوم عاد کو یک لخت ختم فرمایا" شرح مسلم، از امام قرطبی: (113/3)

(3) بخاری: (3344) مسلم: (1064)

بھی کچھ نہیں لگا ہوتا، حالانکہ تیر پیٹ کی گندگی اور خون کے اندر سے گزر کر باہر نکلا ہوتا ہے [پھر بھی اس پر خون یا پیٹ کی آلائش ساتھ نہیں لگتی][1]، ان کی نشانی یہ ہے کہ ان میں سے ایک آدمی ایساسیاہ ہوگا کہ اس کا ایک شانہ عورت کے پستان یا گوشت کے لوتھڑے کی طرح ہوگا جو تھرتھراتا ہوگا۔ یہ اس وقت رونما ہوں گے جب لوگوں میں پھوٹ ہوگی "[2]

تیسری حدیث:

ابو سعید خدری سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: (مسلمانوں میں گروہ بندی کے وقت ایک فرقہ بغاوت کرے گا ان کو دو گروہوں میں سے حق کے قریب ترین گروہ قتل کرے گا)[3]

چوتھی حدیث:

علی کہتے ہیں: "مجھے آسمان سے گر پڑنا زیادہ محبوب ہے اس سے کہ میں تمہیں رسول اللہ ﷺ کی جانب منسوب کر کے ایسی حدیث بیان کروں جو آپ ﷺ نے نہیں فرمائی۔ اور جب بات میرے اور تمہارے درمیان ہو تو ذہن نشین کر لو کہ جنگ دھوکا دہی پر مبنی ہوتی ہے، میں نے رسول اللہ ﷺ سے سنا آپ فرما رہے تھے:

(عنقریب آخری عہد میں ایک قوم رونما ہوگی وہ نو عمر اور عقلی طور پر بیوقوف ہوں گے بات تو سب مخلوق سے اچھی کریں گے[4]، قرآن پڑھیں گے، لیکن قرآن ان کے حلق

---

(1) امام قرطبیؒ کے مطابق مطلب یہ ہے کہ: خارجی دین اسلام میں داخل ہو کر اتنی تیزی سے باہر نکل جاتے ہیں جس طرح یہ تیر شکار کے اندر سے اتنی تیزی کے ساتھ گزر کا باہر آجاتا ہے کہ خون کے لگنے سے پہلے تیر آر پار ہو جاتا ہے، بالکل اسی طرح خارجی بھی اسلام میں داخل ہو کر اتنی تیزی سے باہر نکل جاتے ہیں اور ان پر اسلام کا کوئی اثر نہیں ہوتا۔

(2) بخاری: (6163)، مسلم: (1064)

(3) مسلم: (1065)

(4) اس کا مطلب یہ بیان کیا گیا ہے کہ اپنی ہر بات قرآن سے ثابت کرنے کی کوشش کریں گے، اور دوسرا مطلب یہ بھی بیان کیا گیا ہے کہ: وہ ظاہری طور پر، بہت اچھی بات کریں گے لیکن ان کے دل میں کھوٹ ہوگا۔

سے نیچے نہیں اترے گا دین سے وہ اس طرح نکل جائیں گے جیسے تیر شکار سے نکل جاتا ہے جب تم ان سے ملو تو ان کو قتل کر دینا کیونکہ ان کو قتل کرنے والے کے لیے اللہ کے ہاں قیامت کے دن ثواب ہو گا۔"(1)

پانچویں حدیث:

زید بن وہب جہنی کہتے ہیں کہ: "وہ علی کے ہمراہ خوارج سے جنگ کے لشکر میں تھے۔ تو علی نے فرمایا: "لوگو! میں نے رسول اللہ ﷺ سے سنا کہ: (ایک قوم میری امت سے نکلے گی وہ قرآن اس طرح پڑھیں گے کہ تمہاری قرآن کی تلاوت ان کے مقابلے میں کچھ نہیں، اور نہ تمہاری نمازیں ان کی نمازوں کے مقابلے میں ہیچ ہوں گی، اور نہ تمہارے روزے ان کے روزوں کے ہم پلہ ہو سکتے ہیں، وہ قرآن پڑھتے ہوئے گمان کریں گے کہ قران ان کے حق میں ہے حالانکہ قرآن مجید ان کے خلاف ہو گا، ان کی نمازیں ان کے حلق سے نیچے نہ اتریں گی، وہ اسلام سے اس طرح نکل جائیں گے جس طرح تیر شکار سے نکل جاتا ہے، ان سے قتال کرنے والے لشکر کو وہ فیصلہ معلوم ہو جائے جو ان کے نبی ﷺ کی زبانی ان کے لئے کیا گیا ہے تو وہ اسی عمل پر بھروسا کر لیں گے(2)۔ اور ان کی نشانی یہ ہے کہ ان میں ایک آدمی کے بازو کا ڈولا تو ہو گا لیکن اس کی کہنی نہ ہو گی، اور اس کے ڈولے کی نوک عورت کے پستان کی طرح ہو گی اور اس پر سفید بال ہوں گے"(3)

چھٹی حدیث:

رسول اللہ ﷺ کے غلام عبید اللہ بن ابو رافع بیان کرتے ہیں کہ: "وہ حروری

---

(1) بخاری: (3611) مسلم: (1066)

(2) قرطبیؒ کے مطابق اس کا مطلب یہ ہے کہ: "اس عمل کے اجر و ثواب پر ہی اکتفا کر لیں کہ اس عمل کے اجر و ثواب سے ہی ہم جہنم سے بچ جائیں گے اور جنت کا داخلہ مل جائے گا" شرح مسلم، از امام قرطبیؒ: (118/3)

(3) مسلم: (1066)

[خارجی] لوگوں کی بغاوت کے وقت علی کے ساتھ تھے، تو خوارج نے کہا: "اللہ کے سوا کسی کا حکم نہیں" اس پر جناب علی نے فرمایا: "یہ کلمہ تو حق ہے لیکن اس سے باطل مراد لیا گیا ہے"؛ کیونکہ رسول اللہ ﷺ نے کچھ لوگوں کے اوصاف بیان فرمائے تھے مجھے ان میں انہی لوگوں کی نشانیاں نظر آ رہی ہیں کہ یہ زبان سے تو حق کہتے ہیں مگر وہ زبان [تک ہی رہتا ہے اس] سے تجاوز نہیں کرتا - اور آپ نے حلق کی طرف اشارہ کیا - یہ لوگ اللہ تعالی کے ہاں خلق الٰہی میں سے ناپسندیدہ ترین ہیں، ان میں ایک سیاہ آدمی ہے اس کا ہاتھ بکری کے تھن یا پستان کے سرے کی طرح ہے۔"(1)

ساتویں حدیث:

ابوذر سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: (عنقریب میرے بعد میری امت سے ایسی قوم یقیناً رونما ہوگی جو قرآن پڑھے گی لیکن قرآن ان کے حلق سے آگے نہ جائے گا، اور وہ دین سے اس طرح نکل جائیں گے جیسے تیر شکار سے نکل جاتا ہے پھر وہ دین میں نہ لوٹ پائیں گے (2)، وہ انسانوں اور حیوانوں میں سب سے زیادہ بدکردار ہوں گے۔)(3)

---

(1) سابقہ حوالہ

(2) یعنی وہ اسلام سے نکلنے کے بعد اس میں دوبارہ نہیں لوٹ پائیں گے، یہ بات اکثر خارجیوں اور ان کے نقش قدم پر چلنے والوں میں پائی جاتی ہے کہ جو بھی ان کے نظریات اپناتا ہے وہ ان سے دستبردار نہیں ہوتا، اس بارے میں تاریخی شواہد بہت زیادہ ہیں، جیسے کہ ابن وضاح نے اپنی کتاب "البدع" کے صفحہ: 104 میں ایوب سے نقل کیا ہے کہ: "ایک آدمی خارجیوں کے نظریات رکھتا تھا، اس نے اپنے نظریات سے رجوع کا اعلان کر دیا، اس پر میں خوشی سے محمد بن سیرین کے پاس خبر دینے کیلیے گیا تو میں کہا: کیا آپ کو پتا چلا ہے کہ فلاں نے اپنے خارجی نظریات سے رجوع کر لیا ہے؟ تو محمد بن سیرین کہنے لگے: "خیال کرنا کہ اب وہ کس قسم کے نظریات اپناتا ہے؛ کیونکہ خارجیوں کے نئے نظریات پرانے نظریات سے بھی سنگین ہوتے ہیں اس لیے کہ نبی ﷺ کا فرمان ہے: (وہ اسلام سے نکل جاتے ہیں) اور ایک جگہ فرمایا: (وہ اسلام میں دوبارہ نہیں لوٹنے)"

(3) مسلم: (1067)

آٹھویں حدیث:

یسیر بن عمرو کہتے ہیں میں نے سہل بن حنیف سے پوچھا: "کیا آپ نے نبی ﷺ کو خوارج کا ذکر کرتے ہوئے سنا ہے؟"

اس پر سہل بن حنیف نے کہا: "میں نے آپ کو سنا ہے، آپ نے مشرق جانب اشارہ فرمایا اور کہا: (وہ اپنی زبانوں سے قرآن پڑھیں گے لیکن قرآن ان کے حلق سے آگے نہ جائے گا، اور وہ دین سے اس طرح نکل جائیں گے جیسے تیر شکار سے نکل جاتا ہے)"[1]

نویں حدیث:

ابو سعید خدری نبی ﷺ سے بیان کرتے ہیں کہ: (آپ ﷺ نے فرمایا مشرق کی طرف سے کچھ لوگ نکلیں گے وہ قرآن پڑھتے ہوں گے جو کہ ان کی ہنسلیوں سے نیچے نہیں اترے گا وہ دین سے اس طرح نکل جائیں گے جس طرح تیر شکار سے پار ہو جاتا ہے، پھر وہ لوگ لوٹ کر دین میں نہیں آئیں گے جب تک کہ تیر [کمان میں] اپنی جگہ پر نہ لوٹ آئے) اس پر کسی نے پوچھا: "ان کی نشانی کیا ہے" تو آپ ﷺ نے فرمایا: (سر منڈانا)[راوی کو نبیa کے عربی الفاظ تحلیق یا تسبید میں شک ہے، تاہم دونوں کا مطلب ایک ہی ہے] [2]

دسویں حدیث:

ابن عمر کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: (ایک قوم پیدا ہوگی جو قرآن کو پڑھے گی اور قرآن ان کی ہنسلی سے بھی تجاوز نہیں کرے گا، جب بھی وہ سر اٹھائیں گے کاٹ دیئے جائیں گے)[3]

---

(1) بخاری: (6535)، مسلم: (1068)

(2) بخاری: (6535)

(3) اس سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ جب بھی خارجی فکر پیدا ہوگی انہیں نیست و نابود کر دیا جائے گا، پھر کچھ عرصے کے بعد کچھ اور نکلیں گے ان کا بھی خاتمہ کر دیا جائے گا، اور وہ اسی طرح وقفے وقفے سے رونما ہوتے ہی رہیں گے۔

عبداللہ بن عمر کہتے ہیں : میں نے رسول اللہ ﷺ کو یہ بھی فرماتے ہوئے سنا کہ جب کبھی وہ سر اٹھائیں گے کاٹ دیئے جائیں گے (اور ایسا) بیس مرتبہ سے زیادہ ہوگا یہاں تک کہ ان کی جماعت میں سے دجال ظہور پذیر ہوگا۔[1])[2]

گیارہویں حدیث :

علی کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: (آخری زمانے میں ایک قوم رونما ہوگی وہ قرآن پڑھی ہوگی لیکن قرآن ان کی ہنسلیوں سے نیچے نہیں اترے گا وہ دین سے اس طرح نکل جائے گی جس طرح تیر شکار سے پار ہو جاتا ہے، ان کے خلاف جنگ ہر مسلمان پر حق ہے)[3]

بارہویں حدیث :

ابو غالب کہتے ہیں کہ انہوں نے رسول اللہ ﷺ کے صحابی ابو امامہ سے سنا وہ کہہ رہے تھے: "ملک شام میں خارجی [خود کش حملہ آور][4] رونما ہوئے تو انہیں قتل کر دیا گیا اور انہیں اندھے کنویں میں پھینک دیا گیا، تو ابو امامہ ان کی نعشوں پر گئے اور میں [ابو غالب] بھی ان کے ساتھ تھا، ابو امامہ ان کے پاس کھڑے ہوئے اور پھر آبدیدہ ہو گئے اور کہنے لگے: سبحان اللہ! شیطان نے اس امت کو کتنا بہکا دیا!؟ یہ جہنم کے کتے ہیں، یہ جہنم کے کتے ہیں، یہ

(1) ایک حدیث میں الفاظ یوں ہیں کہ ان کے بقیہ لوگوں میں دجال کا ظہور ہوگا۔
(2) سنن ابن ماجہ: (174) علامہ بوصیری کہتے ہیں کہ: اس حدیث کی سند صحیح ہے، اس کے تمام راویوں سے امام بخاری نے روایت کی ہے، نیز البانی نے اس حدیث کو ابن ماجہ (144) میں صحیح قرار دیا ہے۔
(3) اسے احمد: (156/1)، امام نسائی نے سنن الکبری: (8564) میں، بزار: (520) اور عبداللہ بن امام احمد نے اپنی کتاب "السنۃ" (1479) میں روایت کیا ہے، کتاب کے محقق کے مطابق اس کی سند صحیح ہے، اسی طرح ہیثمی کہتے ہیں: "اسے احمد نے روایت کیا ہے اور اس کے تمام راوی صحیح بخاری کے راوی ہیں"
(4) حدیث کے عربی الفاظ میں "خارجۃ" کا لفظ ہے جو کہ خوارج کی اصطلاح میں ان لوگوں پر بولا جاتا تھا جو سر بازار نکل کر جو بھی سامنے آتا اسے قتل کر دیتے تھے یہاں تک کہ پولیس اور عوام انہیں پکڑ لیتی یا قتل کر دیتی تھی، آج کل بھی جو خود کش حملے اور خود کش بم دھماکے، یا بارود سے بھری گاڑیوں کو سرکاری یا عوامی عمارتوں اور جگہوں سے ٹکرا دیا جاتا ہے یہ انہی سابقہ خارجیوں کا جدید ورژن ہے۔[مترجم]

جہنم کے کتے ہیں - تین بار فرمایا- پھر فرمایا: یہ آسمان کے نیچے بد ترین مقتول ہیں، یہ آسمان کے نیچے بد ترین مقتول ہیں- اور انہوں نے جن لوگوں کو قتل کیا ہے وہ آسمان کے نیچے اعلی ترین مقتول ہیں، وہ آسمان کے نیچے اعلی ترین مقتول ہیں"

اس پر میں [ابو غالب] نے کہا: "ابو امامہ! یہ آپ اپنی طرف سے کہہ رہے ہو یا یہ بات آپ نے رسول اللہ ﷺ سے سنی ہے؟"

اس پر انہوں نے کہا: "یہ تو میری بہت بڑی جسارت ہو گی، یہ تو میری بہت بڑی جسارت ہو گی، یہ تو میری بہت بڑی جسارت ہو گی - انہوں نے تین بار کہا- بلکہ میں نے یہ رسول اللہ ﷺ سے ایک بار، دو بار یا تین بار نہیں بلکہ دس بار سنا ہے"

میں نے رسول اللہ ﷺ کو فرماتے ہوئے سنا: (کچھ لوگ آئیں گے وہ قرآن پڑھتے ہوں گے لیکن قرآن ان کی ہنسلیوں سے نیچے نہیں اترے گا، یا ان کی ہنسلیوں سے آگے نہیں جائے گا، وہ دین سے اس طرح نکل جائیں گے جس طرح تیر شکار سے پار ہو جاتا ہے، پھر وہ لوگ لوٹ کر دین میں نہیں آئیں گے جب تک کہ تیر [کمان میں] اپنی جگہ پر نہ لوٹ آئے، انہیں قتل کرنے والوں کے لیے خوش خبری ہے یا جسے وہ [خارجی] قتل کر دیں اس کے لیے بھی خوش خبری ہے)(1)

تیرہویں حدیث:

سعید بن جمھان کہتے ہیں: "میں عبد اللہ بن ابو اوفی کے پاس آیا اس وقت آپ کی بینائی جا چکی تھی، تو میں نے انہیں سلام کیا، اس پر انہوں نے پوچھا: آپ کون ہیں؟ تو میں نے کہا: سعید بن جمھان ہوں، پھر انہوں نے کہا: آپ کے بیٹے کا کیا بنا؟ تو میں نے کہا: اسے

---

(1) اسے دیگر محدثین کے ساتھ امام ترمذی نے روایت کیا ہے، حدیث نمبر: (3000) اسی طرح ابن ماجہ: (176)، مسند احمد: (250/5)، امام حاکم نے مستدرک (149/2) میں اور علامہ آجری نے اپنی کتاب: "الشریعۃ" (58) میں نقل کیا ہے اور یہ الفاظ علامہ آجری سے ہی ماخوذ ہیں، اس روایت کو البانی نے صحیح ترمذی (2398) میں صحیح قرار دیا ہے۔

ازارقہ[1] نے قتل کر دیا ہے، تو عبد اللہ کہنے لگے: ازارقہ پر اللہ لعنت فرمائے، ازارقہ پر اللہ لعنت فرمائے، ہمیں رسول اللہ ﷺ نے بتلایا تھا کہ وہ جہنم کے کتے ہیں۔"

سعید کہتے ہیں: میں نے عرض کیا: "صرف ازارقہ جہنم کے کتے ہیں یا سارے کے سارے خارجی؟"

تو انہوں نے کہ: سارے کے سارے خارجی جہنم کے کتے ہیں۔

سعید کہتے ہیں: میں نے عرض کیا: اگر حکمران لوگوں پر ظلم کرتا ہو اور ان کے ساتھ زیادتی کرے!! اس پر عبد اللہ نے ان کے ہاتھوں کو پکڑا اور سختی سے جھٹک دیا اور کہا: "جھمان کے بیٹے! سواد اعظم یعنی ملت کا التزام رکھو، ملت کے ساتھ رہو، اگر حکمران تمہاری بات سنتا ہو تو تم اس کے گھر جا کر بتلاؤ کہ مجھے یہ خبریں ملی ہیں، تو اگر وہ آپ کی بات سن کر مان لے تو ٹھیک ورنہ انہیں ان کے حال پر چھوڑ دیں؛ کیونکہ حالات کا ان سے زیادہ آپ کو علم نہیں ہے!"[2]

❀❀❀❀

(1) یہ بھی خارجی گروہ ہے جو کہ نافع بن ازرق کے تابع تھا یہ عراق میں 65 ہجری کو رونما ہوئے اور انہوں نے بصرہ اور اہواز تک کا علاقہ اپنے زیر تسلط کر لیا تھا، انہوں نے عورتوں، بچوں اور بوڑھوں سب کا قتل عام کیا، بلکہ یہ بچوں کو ابلتی ہوئی کڑھائی میں ڈال دیتے تھے، ان کا خاتمہ مہلب بن ابی صفرہ نے کیا تھا۔

(2) اسے امام احمد (382/4) نے روایت کیا ہے، یہ الفاظ مسند احمد سے ہی ماخوذ ہیں، ابن ماجہ: (173)، طیالسی: (822) اور دیگر نے بھی اس روایت کو نقل کیا ہے، ہیثمی کہتے ہیں: "اسے طبرانی اور احمد نے روایت کیا ہے اور مسند احمد میں اس کے راوی ثقہ ہیں" نیز اسے البانی نے ابن ابی عاصم کی کتاب "السنۃ" کی تحقیق میں حسن کہا ہے اور مقبل الوادعی نے "الصحیح المسند" (542) میں حسن کہا ہے۔

دوسری فصل:

حکمرانوں کی اطاعت کے متعلق احادیث

پہلی حدیث:

انس بن مالک کہتے ہیں کہ نبی ﷺ نے فرمایا: (اپنے حکمران کی بات سنو اور اس کی اطاعت کرو چاہے تم پر کسی حبشی کو امیر بنا دیا جائے اور اس کا سر منقے جیسا ہو)[1]

دوسری حدیث:

ابن عباس کہتے ہیں کہ نبی ﷺ نے فرمایا: (جس شخص کو اپنے حکمران کی کوئی بات ناگوار گزرے تو وہ صبر کرے؛ کیونکہ حکمران کے خلاف ایک بالشت کے برابر بھی بغاوت کرے اور مر جائے تو وہ جاہلیت کی موت مرے گا[2])[3]

تیسری حدیث:

جنادہ بن ابو امیہ کہتے ہیں: "ہم عبادہ بن صامت کے پاس آئے، آپ اس وقت بیمار تھے، ہم نے آپ سے عرض کیا: اللہ تعالی آپ کو صحت سے نوازے، ہمیں کوئی حدیث سنائیں جو آپ نے نبی ﷺ سے سنی ہو [تاکہ ہمارے اس پر عمل کرنے کے باعث] آپ کو اس فائدہ ہو۔

---

(1) بخاری: (693)

(2) جاہلیت کی موت مرے گا کا مطلب بیان کرتے ہوئے شیخ الاسلام ابن تیمیہ کہتے ہیں: "نبی ﷺ نے حکمران کی اطاعت اور ملت اسلامیہ سے نکل جانے والے باغیوں اور خارجیوں کے بارے میں ذکر کیا کہ جب ان میں سے کوئی مرتا ہے تو وہ جاہلیت کی موت مرتا ہے کیونکہ اہل جاہلیت میں کوئی حکمران نہیں ہوتا تھا بلکہ ہر ایک قبیلہ دوسرے قبیلے کو اپنے زیر تسلط لانے کیلیے کوشش کرتا رہتا تھا" مجموع الفتاوی: (487/28)

(3) بخاری: (7053) مسلم: (1849)

توانہوں نے کہا: (ہمیں رسول اللہ ﷺ نے اسلام کی دعوت دی تو ہم نے آپ کی بیعت کی، آپ ﷺ نے ہم سے جن باتوں پر بیعت لی تھی وہ یہ تھی کہ: ہم خوش ہوں یا ناراض، آسانی ہو یا تنگی، یا ہم پر کسی اور کو ترجیح بھی دی جا رہی ہو تب بھی ہم آپ کی بات سنیں گے اور اطاعت کریں گے، نیز حکمرانوں سے قیادت چھیننے کی کوشش بھی نہیں کریں گے، الا کہ ہم بالکل واضح طور پر کفر اکبر دیکھ لیں، جس کے بارے میں ہمارے پاس اللہ تعالی کی جانب سے دلیل ہو)"(1)

چوتھی حدیث:

نافع جناب عبد اللہ سے بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: (مسلمان کو اچھا لگے یا برا لگے حکمران کی اطاعت اس پر لازمی ہے، یہاں تک کہ کسی گناہ کا حکم نہ دیا جائے، چنانچہ اگر گناہ کا حکم دیا جائے تو پھر کوئی اطاعت نہیں ہو گی)(2)

پانچویں حدیث:

زید بن وہب جناب عبد اللہ سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

"میرے بعد کچھ ایسے امور دیکھو گے جو تمہیں ناگوار گزریں گے نیز دنیاوی امور کو ترجیح بھی دی جائے گی۔"

اس پر صحابہ کرام نے عرض کیا:

"اللہ کے رسول! ہم میں سے کوئی اگر وہ زمانہ پالے تو آپ اس کے لیے کیا حکم دیتے ہیں؟"

تو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

"تمہارے ذمے جو واجبات ہیں تم وہ ادا کرتے رہنا، اور جو تمہارے حقوق ہیں وہ

---

(1) بخاری: (7056) مسلم: (1709)
(2) بخاری: (7144) مسلم: (1837)

اللہ تعالی سے مانگنا(1)(2)

چھٹی حدیث:

علقمہ بن وائل حضرمی اپنے والد سے بیان کرتے ہیں کہ: سلمہ بن یزید جعفی نے رسول اللہ ﷺ سے استفسار کیا: "اللہ کے نبی ﷺ! آپ اس بارے میں کیا حکم فرماتے ہیں کہ اگر ہم پر ایسے حاکم مسلط ہو جائیں جو ہم سے اپنے حقوق تو مانگیں اور ہمارے حقوق ادا نہ کریں، آپ ﷺ نے اس کا جواب دینے سے احتراز فرمایا، انہوں نے آپ ﷺ سے پھر پوچھا، آپ ﷺ نے پھر بھی جواب دینے سے احتراز فرمایا، پھر اس نے دوسری یا تیسری مرتبہ پوچھا تو اسے اشعث بن قیس نے کھینچ لیا، پھر نبی ﷺ نے فرمایا: (پھر بھی اپنے حکمران کی بات سنو اور اطاعت کرو کیونکہ ان پر ان کا بوجھ اور تمہارے اوپر تمہارا بوجھ ہے)"(3)

ساتویں حدیث:

حذیفہ بن یمان کہتے ہیں میں نے عرض کیا: "اللہ کے رسول ﷺ! ہم برائی میں پھنسے ہوئے تھے اللہ تعالی نے ہمیں [اسلام کی صورت میں] بھلائی دی تو کیا اس بھلائی کے بعد بھی کوئی برائی ہو گی؟

آپ ﷺ نے فرمایا: (ہاں)

میں نے عرض کیا: کیا اس برائی کے بعد کوئی بھلائی بھی ہو گی؟

---

(1) اس حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ حاکم اور رعایا کا تعلق صرف دو طرفہ حقوق اور واجبات کی ادائیگی پر ہی موقوف نہیں ہے کہ اگر ایک جانب سے ظلم ہوا تو دوسری جانب بدلے میں بقدرِ ظلم واجبات ادا نہ کرے، بلکہ حکمران اور رعایا کا تعلق تب بھی قائم دائم رہے گا جب حاکم کی جانب سے ظلم ہو رہا ہو، چنانچہ حکمران کے ظلم پر صبر کر کے بھی اس کی اطاعت کرنا اس حدیث کا تقاضا ہے؛ کیونکہ اگر ایسا ہو تو پھر لا قانونیت اور انتشار پھیلنے میں دیر نہیں لگتی، اس اعتبار سے یہ معاملہ انتہائی اہمیت کا حامل ہے۔

(2) بخاری: (3603) مسلم: (1843)

(3) مسلم: (1846)

آپ ﷺ نے فرمایا: (ہاں)

میں نے عرض کیا: اس بھلائی کے بعد بھی کوئی برائی ہو گی؟

آپ ﷺ نے فرمایا: (ہاں)

میں نے کہا: وہ کیسے؟

آپ ﷺ نے فرمایا:

''میرے بعد ایسے حکمران ہوں گے جو میری رہنمائی کو نہیں اپنائیں گے اور میری سنت پر کاربند نہیں ہوں گے، پھر ان میں کچھ ایسے لوگ کھڑے ہو جائیں گے جن کے دل تو شیاطین والے ہوں گے لیکن جسم انسانی ہوں گے۔''

میں نے کہا: اے اللہ کے رسول! اگر مجھے وہ دور مل جائے تو میں کیا کروں؟

آپ ﷺ نے فرمایا:

''تم اپنے امیر کی اطاعت کرنا چاہے وہ تمہاری کمر پر مارے، اور تمہارا مال چھین لے، پھر بھی اس کی اطاعت کرنا اور اس کی بات سننا''[1]

آٹھویں حدیث:

نافع کہتے ہیں:

"ابن عمر یزید بن معاویہ کے دور حکومت میں رونما ہونے والے واقعہ حرہ کے وقت عبداللہ بن مطیع کے پاس آئے تو ابن مطیع نے کہا ابو عبدالرحمن [ابن عمر کی کنیت] کے لئے تکیہ رکھو، تو ابن عمر نے کہا میں آپ کے پاس بیٹھنے کے لیے نہیں آیا میں تو آپ کے پاس اس لئے آیا ہوں کہ آپ کو ایک حدیث بیان کروں یہ حدیث میں نے رسول اللہ ﷺ سے سنی ہے، آپ ﷺ نے فرمایا: (جس نے اطاعتِ امیر سے ہاتھ نکال لیا تو وہ قیامت کے دن اللہ سے اس حال

---

(1) مسلم: (1847)

میں ملاقات کرے گا کہ اس کے پاس [عذر کے لیے] کوئی حجت نہ ہو گی اور جو اس حال میں مرا کہ اس کی گردن میں کسی کی بیعت نہ تھی تو وہ جاہلیت کی موت مرا"[1]

نویں حدیث:

ام سلمہ کہتی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

""عنقریب ایسے امیر آئیں گے جن کے خلاف شریعت اعمال کو تم پہچان لو گے اور بعض اعمال نہ پہچان سکو گے پس جس نے ان کے اعمال بد کو پہچان لیا وہ بچ گیا، اور جو ان کے برے اعمال کو برا سمجھتا رہا وہ محفوظ رہا، لیکن جو ان امور پر خوش ہوا اور تابعداری کی [وہ محفوظ نہ رہا] صحابہ نے عرض کیا ہم ان کے خلاف ہتھیار نہ اٹھائیں؟ آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا: (نہیں جب تک وہ نماز ادا کرتے رہیں)[2]

دسویں حدیث:

عوف بن مالک رسول اللہ ﷺ سے بیان کرتے ہیں کہ آپ ﷺ نے فرمایا:

""آپ ﷺ نے فرمایا تمہارے حاکموں میں سے بہتر وہ ہیں جن سے تم محبت کرتے ہو اور وہ تم سے محبت کرتے ہیں اور وہ تمہارے لیے دعائے مغفرت کرتے ہیں اور تم ان کے لیے دعائے مغفرت کرتے ہو اور تمہارے برے حاکم وہ ہیں جن سے تم بغض رکھتے ہو اور وہ تم سے بغض رکھتے ہوں، تم انہیں لعنت کرو اور وہ تمہیں لعنت کریں ۔

عرض کیا گیا: "اللہ کے رسول! کیا ہم انہیں مسلح کاروائی سے معزول نہ کر دیں؟

---

(1) مسلم: (1851)
(2) مسلم: (1854)

آپ ﷺ نے فرمایا : (نہیں جب تک وہ تمہارے اندر رہتے ہوئے نماز قائم کرتے رہیں اور جب تک اپنے حاکموں میں کوئی ناگوار چیز دیکھو تو اس کے اس عمل کو ناپسند کرو اور اس کی اطاعت سے ہاتھ مت کھینچو)[1]

اس حوالے سے صرف اتنی ہی احادیث کافی ہیں، صرف صحیح بخاری اور مسلم میں ہی بہت سی روایات ہیں جو طوالت کے خدشے سے ذکر نہیں کر رہا، جبکہ سنن اور مسانید وغیرہ میں احادیث اس کے علاوہ ہیں۔

❀❀❀❀

(1) مسلم: (1855)

تیسری فصل:

خوارج کی تعریف

علامہ بربہاری کہتے ہیں:

"جو بھی کسی بھی مسلمان حکمران کے خلاف بغاوت کرے تو وہ خارجی ہے، اس نے مسلمانوں کے اتحاد کو سبوتاژ کیا، احادیث کی مخالفت کی اور اسی حالت میں مر گیا تو جاہلیت کی موت مرا"(1)

علامہ آجری کہتے ہیں:

"خوارج سے مراد پلید اور گندے شُراۃ [مخصوص قسم کے خارجی لوگ] ہیں، ان کے نظریات پر چلنے والے تمام خارجی [دھڑوں کا بھی یہی حکم ہے]، خوارج عصرِ حاضر کے ہوں یا قدیم؛ ان کے نظریات موروثی ہیں، چنانچہ حکمرانوں اور گورنروں کے خلاف بغاوت ان کا مشغلہ ہے یہ مسلمانوں کا قتل جائز سمجھتے ہیں"(2)

امام شہرستانی کہتے ہیں:

"متفقہ طور پر متعین کئے جانے والے حکمران کے خلاف بغاوت کرنے والے کو خارجی کہا جاتا ہے، چاہے یہ بغاوت عہدِ صحابہ میں خلفائے راشدین کے خلاف ہو یا ان کے بعد آنے والے تابعین کے ایام میں، یا کسی بھی دور کے متفقہ حکمران کے خلاف بغاوت کی جائے"(3)

---

(1) شرح السنۃ (76)
(2) کتاب الشریعہ (24)
(3) الملل والنحل (105/1)

شیخ الاسلام ابن تیمیہ کہتے ہیں:

"خوارج نے سب سے پہلے مسلمانوں کی تکفیر کی، یہ لوگ گناہ کی وجہ سے مسلمانوں کو کافر قرار دینے کے ساتھ اپنے نظریاتی مخالفین کو بھی کافر کہہ کر ان کے مال و جان لوٹنے کو جائز سمجھتے ہیں"[1]

اسی طرح ایک اور مقام پر کہتے ہیں:

"گناہوں کی وجہ سے اہل قبلہ کو سب سے پہلے خارجیوں نے کافر کہا، بلکہ ایسے امور کی بنا پر بھی انہوں نے مسلمانوں کو کافر قرار دیا جنہیں وہ گناہ سمجھتے تھے [حقیقت میں وہ گناہ نہیں تھا] پھر اس کے نتیجے میں انہوں نے اہل قبلہ کو قتل کرنا شروع کر دیا"[2]

ایک اور مقام پر رقمطراز ہیں:

"ملت اسلامیہ اور مسلم حکمرانوں سے جدائی کے سلسلے میں ان کی دو مشہور صفات ہیں:

پہلی: شرعی حدود سے تجاوز کر کے انہوں نے ایسے امور کو بھی گناہ قرار دیا جو گناہ نہیں تھے، یا جو امور نیکی نہیں تھے انہیں نیکی شمار کر لیا، اسی بات کا اظہار خارجیوں نے نبی ﷺ کے سامنے کیا تھا کہ جب ذو الخویصرہ تمیمی نے آپ ﷺ سے کہا: "عدل کرو! آپ عدل نہیں کر رہے" تو نبی ﷺ نے اسے فرمایا: (تمہارا ستیاناس ہو! اگر میں عدل نہیں کروں گا تو کون عدل کریگا؟ اگر میں عدل نہ کروں تو تم گھاٹے اور خسارے میں چلے گئے!!) [یعنی تمہارا پیشوا ہی ظالم ہوا تو تمہارا کیا بنے گا؟؟]

دوسری: خارجی اور بدعتی لوگ گناہوں اور خطاؤں کی بنا پر مسلمان کو کافر کہہ

---

(1) مجموع الفتاوی(279/3)
(2) گزشتہ ماخذ(481/7)

دیتے ہیں، پھر جب وہ کافر کہتے ہیں تو اس کے نتیجے میں مسلمانوں کے مال وجان پر ہاتھ ڈالنا جائز سمجھتے ہیں، بلکہ اسلامی خطے کو دار الحرب کہتے ہیں اور اپنے زیر تسلط علاقوں کو دار الایمان کہتے ہیں"[(1)]

حافظ ابن حجر کہتے ہیں:

"خوارج سے مراد وہ لوگ ہیں جنہوں نے علی کے ثالث بنانے کو غلط قرار دیا، پھر سیدنا علی اور سیدنا عثمان اور ان کی آل اولاد سے اظہار براءت بھی کیا اور ان سے جنگیں بھی لڑیں، اور اگر وہ مذکورہ خلفائے راشدین کو کافر بھی قرار دیں تو یہ خارجیوں کی متعصب ترین قسم ہے"[(2)]

اسی طرح حافظ ابن حجر ایک اور مقام پر کہتے ہیں:

"خوارج سے مراد باغیوں کا ایک گروہ ہے، انہیں خوارج اس لیے کہا گیا کہ وہ دین اور اعلی ترین مسلمان شخصیات کے خلاف بغاوت کرتے ہیں"[(3)]

اہل علم کی اس گفتگو سے ہم خلاصہ یہ نکال سکتے ہیں کہ:

" حکمرانوں کے خلاف خروج یعنی بغاوت میں تمام خارجی مشترک ہیں، اور اسی لفظ سے خارجی بنا ہے، ایک توجیہ یہ بھی بیان کی گئی ہے کہ چونکہ یہ لوگ نظریاتی مخالفت اور گناہوں پر کافر ہونے کا فتوی صادر کرنے کی وجہ سے دین سے خارج ہو جاتے ہیں اس لیے انہیں خارجی کہا گیا"

اس میں صحیح بات یہ ہے کہ: خوارج کی دو قسمیں ہیں:

پہلی قسم: یہ وہ لوگ ہیں جو ارتکاب معصیت پر فتوی کفر صادر کرنے جیسے نظریات کی بنا پر حکمرانوں کے خلاف علمِ بغاوت بلند کرتے ہیں، تو یہ قسم انہیں خارجیوں کی ہے جو دین

---

(1) مجموع الفتاوی (72/19)
(2) ھدی الساری (459)
(3) فتح الباری (296/12)

سے خارج ہیں، جیسے کہ حدیث میں بھی آیا ہے: " وہ دین سے ایسے نکل جائیں گے جس طرح تیر شکار سے نکل جاتا ہے" یا اہل سنت کی مخالفت کرتے ہوئے کسی بدعت کی بنا پر کافر قرار دیتے ہیں، عام طور اہل بدعت میں یہ خرابی پائی جاتی ہے۔

انہیں لوگوں کی احادیث میں مذمت بیان ہوتی ہے، ان کے قتل کی ترغیب دلائی گئی ہے، انہیں جہنم کے کتے قرار دیا گیا نیز انہیں انسانوں اور حیوانوں ہر دو میں بدترین قرار دیا گیا۔

دوسری قسم: یہ وہ لوگ ہیں جو حکمرانی کے حصول کے لیے حکمرانوں کے خلاف بغاوت کرتے ہیں ان کا مذکورہ بالا اعتقادات میں سے کوئی نظریہ نہیں ہوتا، انہیں باغی کہتے ہیں، اور باغیوں کی دو قسمیں ہیں:

اول: ایسے باغی جنہوں نے دینی حمیت اور برائی کے خاتمے کے لیے بغاوت کی۔

دوم: ایسے باغی جنہوں نے صرف حکمرانی حاصل کرنے کے لیے بغاوت کی۔

شیخ الاسلام ابن تیمیہ کہتے ہیں:

"[برائی کے خاتمے کی غرض سے] حکمرانوں پر بغاوت کرنے والے بسا اوقات دو لحاظ سے غلطی کر بیٹھتے ہیں:

پہلی وجہ: جو چیز دین کا حصہ ہی نہیں ہے اسے دین سمجھ لیں، مثلاً: خوارج اور دیگر اہل بدعت؛ کیونکہ یہ نظریہ ہی ایسا اپناتے ہیں جو سرے سے غلط اور خود ساختہ ہوتا ہے، پھر اس کی بنیاد پر لوگوں کے خلاف ہتھیار اٹھاتے ہیں بلکہ اپنے مخالفین کو کافر سمجھتے ہیں، یہ ان کی فکری غلطی ہے کہ پہلے نظریہ غلط، پھر مخالفین کو کافر قرار دے کر یا ان پر لعنت کر کے ان کے خلاف مسلح کاروائی غلط، یہ جہمیوں کی طرح دیگر بدعتی فرقوں کا حال ہے۔۔۔ -پھر شیخ الاسلام ابن تیمیہ کہتے ہیں- یہی غلطی خارجی کرتے ہیں کہ اہل سنت والجماعت کو کافر کہتے ہیں اور ان کے خلاف ہتھیار اٹھاتے ہیں۔

دوسری وجہ: جو شخص ہتھیار اٹھا کر اہل سنت والجماعت کے عقیدے سے متصادم

رائے کی جانب دعوت نہیں دیتا، جیسے کہ جنگ جمل [1]، صفین [2]، حرّہ [3]، جماجم [4] اور دیگر مواقع پر ہوا، بلکہ اس کا گمان یہ ہوتا ہے کہ ہتھیار اٹھانے سے مطلوبہ مثبت اہداف حاصل ہو جائیں گے تو یہ اس کی خام خیالی ہے، بلکہ پہلے سے زیادہ حالات خراب ہوتے ہیں، اور آخر میں جا کر نہیں وہ بات سمجھ میں آتی ہے جو شریعت شروع سے ہی انہیں سمجھا رہی ہے، ان لوگوں میں کچھ ایسے بھی ہوتے ہیں جنہیں اس نفس معاملہ میں شرعی نصوص کا ادراک نہیں ہوتا، یا ادراک تو ہوتا ہے لیکن اس کے ہاں ثابت شدہ نہیں ہوتیں، جبکہ کچھ ایسے بھی ہوتے ہیں جو ان نصوص کو منسوخ سمجھتے ہیں جیسے کہ ابن حزم [کچھ ایسی نصوص کو منسوخ سمجھتے تھے] اور کچھ ایسے بھی ہوتے ہیں جو ان نصوص کی تاویل کرتے ہیں اور یہ چیز بہت سے مجتہدین میں پائی جاتی ہے۔"

حافظ ابن حجر کہتے ہیں:

"خارجی دو قسم کے ہوتے ہیں:

پہلی قسم: سیدنا علی کے خلاف بغاوت کرنے والے خارجی ہیں جیسے کہ نافع بن ازرق اور اسی طرح کے دیگر لوگ۔

دوسری قسم: جو محض حکمرانی کی چاہت میں باغی ہو گئے، اس میں کوئی نظریاتی اختلاف نہیں تھا، پھر اس قسم کی بھی آگے دو قسمیں ہیں:

---

(1) سیدنا عثمان کے قصاص کے مطالبے میں رونما ہونے والی جنگ جو کہ 36 ہجری کو ہوئی اور یہ اسلام کی پہلی داخلی جنگ تھی۔

(2) سیدنا علی اور سیدنا امیر معاویہ کے درمیان غیر ارادی طور پر شر انگیزوں کی جانب سے چھڑ جانے والی جنگ جو کہ 37 ہجری کو ہوئی اور یہ اسلامی تاریخ میں دوسری بڑی داخلی جنگ تھی۔

(3) اس سے مراد مدینہ نبویہ میں رونما ہونے والا واقعہ ہے جس میں یزید بن معاویہ کے خلاف بغاوت کرتے ہوئے عبداللہ بن حنظلہ کی بیعت کر لی تھی، یہ واقعہ 63 ہجری میں رونما ہوا۔

(4) اس سے مراد عراق میں رونما ہونے والا واقعہ ہے جس میں ابن اشعث کی جانب سے حجاج اور عبد الملک بن مروان کے خلاف سن 81 ہجری میں بغاوت ہوئی، جماجم اس جگہ کا نام ہے جہاں پر اس بغاوت کی آخری فیصلہ کن لڑائی ہوئی اور حجاج نے ابن اشعث کو شکست دی۔

اول: یہ وہ لوگ ہیں جو دینی حمیت اور حکمرانوں کی سنت نبوی سے بے راہروی اور ان کے ظلم سے تنگ آکر اعلان بغاوت کر بیٹھے، تو یہ لوگ اپنے مطالبے میں سچے تھے، انہیں میں حسن بن علی، واقعۂ حرہ میں اہل مدینہ اور حجاج کے خلاف بغاوت کرنے والے ابن اشعث کے رفقاء شامل ہیں۔

دوم: یہ لوگ محض حکمرانی کی طلب میں باغی ہوئے، چاہے ان کے کچھ شبہات تھے یا نہیں یہ ہر حالت میں باغی ہیں"(1)

خارجیوں کی اس قسم پر خروج کا لفظ اس لیے بولا جاتا ہے کہ انہوں نے بھی حکمرانوں کے خلاف بغاوت کی، تاہم ان کا حکم پہلی قسم والا نہیں ہوتا، لیکن پھر بھی اتنا ضرور ہے کہ انہوں نے حکمرانوں کے ظلم و ستم پر صبر کی تلقین کرنے والی بہت سی احادیث کی مخالفت کی، جن میں حکمرانوں کے مسلمان ہونے تک ان کی اطاعت کا حکم دیا گیا ہے کہ جب تک حکمرانوں سے ایسا صریح کفر عیاں ہو جس میں کسی تاویل یا شبہے کی گنجائش نہ ہو، خارجیوں کی اس دوسری قسم پر کچھ سلف صالحین نے تکفیر کی بجائے بدعت کا اطلاق کیا ہے؛ کیونکہ اِنہوں نے حکمرانوں سے محض نافرمانی صادر ہونے پر اعلان بغاوت کر دیا تھا۔

امام احمد کہتے ہیں:

"جو شخص کسی ایسے مسلمان حکمران سے بغاوت کر دے جس کی حکمرانی پر سب مسلمان بزورِ تلوار یا رضامندی متفق تھے اور اسے اپنا خلیفہ مانتے تھے تو وہ شخص مسلمانوں کے اتحاد کو سبوتاژ کرنے کا مجرم ہے، اور رسول اللہ ﷺ کی احادیث کا مخالف ہے، اگر اسی حالت پر مر گیا تو وہ جاہلیت کی موت مرا۔ نیز مسلم حکمران کے خلاف ہتھیار اٹھانا، کسی فرد کی جانب سے اعلان بغاوت کرنا جائز نہیں ہے، اگر کوئی شخص ایسا کام کرتا ہے تو وہ بدعتی ہے، سنت نبوی پر

---

(1) فتح الباری(298/12)

گامزن نہیں ہے"(1)

امام بربہاری کہتے ہیں:

"کسی بھی مسلمان حکمران کے خلاف بغاوت کرنے والا خارجی ہے، وہ مسلمانوں کا اتحاد تار تار کر رہا ہے اور احادیث کی مخالفت کا مرتکب ہے، وہ اسی حالت میں مر جائے تو جاہلیت کی موت مرے گا"(2)

شیخ عبدالعزیز بن باز کہتے ہیں:

"یہ خوارج اور معتزلہ کا موقف ہے کہ حکمرانوں کے خلاف بغاوت کریں، اور اگر کوئی غلطی یا گناہ پایا جائے تو ان کی اطاعت نہ کی جائے"(3)

شیخ ابن عثیمین کہتے ہیں:

"کچھ ناعاقبت اندیش کہتے ہیں کہ: جب تک حکمران مکمل طور پر سیدھے نہیں ہو جاتے اس وقت تک ہم پہ ان کی اطاعت واجب ہی نہیں ہے! یہ غلط ہے، درست نہیں ہے، بلکہ شریعت میں ایسی کوئی بات ہی نہیں ہے۔

بلکہ یہ خارجیوں کا نظریہ ہے، وہ چاہتے ہیں کہ حکمران مکمل طور پر شریعت کے پابند ہو جائیں، ایسا کبھی بھی نہیں ہوا، اب تو معاملات اور زیادہ بدل چکے ہیں"(4)

تو اس سے عیاں ہوتا ہے کہ گناہوں کی وجہ سے حکمرانوں کے خلاف علمِ بغاوت بلند کرنا خارجی لوگوں کا نظریہ ہے؛ کیونکہ انہوں نے ہی اس کی سب سے پہلے داغ بیل ڈالی تھی، اگرچہ کچھ خارجی ایسے بھی گزرے ہیں جو کہ گناہوں کی وجہ سے تکفیر نہیں کرتے، لیکن ایسا کرنے سے ان کی مذمت کم نہیں ہو گی؛ کیونکہ انہوں نے صریح احادیث کی مخالفت تو کر دی

---

(1) شرح اصول الاعتقاد از: لالکائی (161/1)
(2) شرح السنۃ (76)
(3) الفتاوی الشرعیۃ فی القضایا العصریۃ (14)
(4) شرح ریاض الصالحین (109/4)

ہے، اور رسول اللہ ﷺ نے یہ فیصلہ کر دیا ہے جو شخص اپنے حکمران سے بغاوت کی حالت میں مر گیا تو وہ جاہلیت کی موت مرے گا۔

امام قرطبیؒ کہتے ہیں:

"اکثر علمائے کرام کا یہ موقف ہے کہ ظالم حکمران کے ظلم پر صبر کا مظاہرہ اس کے خلاف بغاوت کرنے سے بہتر ہے؛ کیونکہ حکمران کے خلاف بغاوت اور سلطنت چھیننے سے امن وامان تباہ ہو جائے گا، قتل وغارت کا بازار گرم ہو گا، اور معاملات بیوقوف لوگوں کے ہاتھ میں چلے جائیں گے، مسلمانوں پر حملے ہوں گے اور زمین پر فساد پھیلے گا۔

یہ بھی واضح ہو کہ ظالم حکمران کے خلاف بغاوت معتزلہ میں سے ایک گروہ اور تمام خوارج کا موقف ہے۔"(1)

چونکہ غلط نظریات کے باعث ہونے والی بغاوت اور محض حصولِ حکمرانی کے لیے کی جانے والی بغاوت کی مذمت میں فرق ہے اس لیے ان کی دنیا میں سزائیں اور احکامات بھی الگ الگ ہیں۔

لہٰذا خارجیوں کے کافر ہونے کے متعلق اہل علم کا اختلاف ہے، اگرچہ صحابہ کرام سے معروف یہی ہے کہ وہ انہیں کافر نہیں سمجھتے تھے، شیخ الاسلام ابن تیمیہ نے اس بات کا ذکر کئی مقامات پر کیا ہے، جبکہ باغیوں کے حکم کے متعلق اختلاف نہیں ہے۔

اسی طرح خارجیوں سے لڑائی کے اسباب بھی الگ الگ ہیں؛ کیونکہ خارجیوں سے لڑائی کا اولین سبب ان کا دین سے خروج اور دوسرا سبب مسلمانوں کے خلاف بغاوت ہے، جبکہ باغیوں سے لڑائی کا سبب صرف حکمران کے خلاف بغاوت ہوتا ہے، انہی بنیادی فروق کی وجہ سے ان کے ساتھ جنگ کے ذیلی احکامات مثلاً: زخمیوں کا خاتمہ، اور بھاگنے والوں کو پکڑنا

---

(1) تفسیر قرطبیؒ (109/2)

وغیرہ الگ الگ لاگو ہوتے ہیں، اہل علم نے یہ احکامات باغیوں سے جنگ کے ابواب میں بیان کئے ہیں۔

امام ابن تیمیہ کہتے ہیں:

''خوارج سے لڑنے کا حکم صرف اس بنا پر نہیں کہ وہ چور ،ڈاکو اور باغیوں کی طرح لوگوں پر ہتھیار اٹھارہے ہیں اس لیے خوارج سے لڑنا چاہیے؛ کیونکہ چور ،ڈاکو وغیرہ سے لڑائی اس وقت تک ہوتی ہے کہ ان کا زور ٹوٹ جائے، اور بدی سے باز آکر اطاعت کرنے لگیں، چور ڈاکو جہاں بھی ملیں قتل کرنے کا حکم نہیں دیا گیا، وہ قومِ عاد کی طرح ملیامیٹ نہیں کئے جائیں گے، نیز وہ آسمان کے نیچے بد ترین مقتول بھی نہیں ہیں، انہیں حملہ کرکے قتل کرنے کا حکم نہیں دیا، بلکہ جب معاملہ انتہائی بگڑ جائے تو انہیں قتل کرنے کا حکم دیا گیا ہے۔''

تو اس سے معلوم ہوا کہ خارجیوں کو قتل کرنے کا حکم جس سبب کی بنا پر دیا گیا ہے وہ دین سے خروج ہے؛ کیونکہ انہوں نے اتنا زیادہ غلو کیا کہ دین سے سے باہر ہو گئے، یہی بات حدیثِ علی میں ہے: (وہ دین سے ایسے نکل جائیں گے جیسے تیر شکار سے پار ہو جاتا ہے، تم انہیں جہاں بھی پاؤ قتل کردو)اس حدیث میں خوارج سے قتال کا حکم ان کے دین سے نکل جانے پر مرتب کیا گیا، تو اس سے واضح ہو گیا کہ یہی خارجیوں سے لڑائی کا موجب ہے۔

پھر آگے چل کر ابن تیمیہ کہتے ہیں: اس سے ثابت ہوا کہ خارجیوں سے قتال ان کی خاص صفت [دین سے باہر نکل جانے] کی وجہ سے ہے، اس لیے نہیں کہ وہ باغی ہیں یا جنگجو ہیں، یہ صفت خارجیوں میں انفرادی اور اجتماعی ہر اعتبار سے مکمل طور پر پائی جاتی ہے۔

نیز سیدنا علی رضی اللہ عنہ نے ان کے رونما ہوتے ہی فوری طور پر ان سے اس لیے لڑائی نہیں لڑی کہ ابھی تک سیدنا علی کے لیے ان کی صفات مکمل طور پر واضح نہیں ہوئیں تھیں، پھر جب انہوں نے ابن خباب کو قتل کیا اور لوگوں کے مال مویشیوں کو لوٹا تو سیدنا علی کے لیے

ان کی حقیقت عیاں ہو گئی کہ: (خارجی بت پرستوں کو چھوڑ کر اہل اسلام کو قتل کریں گے) پھر سیدنا علی کو علم ہوا کہ یہی دین سے نکلنے والے خارجی ہیں۔

[سیدنا علی کی خوارج کے ساتھ جنگ میں تاخیر کی ایک وجہ یہ بھی تھی کہ] اگر آپ ان کی لوٹ مار سے پہلے جنگ شروع کر دیتے تو خدشہ تھا کہ عرب قبائل ان کے حق میں اٹھ کھڑے ہوتے اور علی کے خلاف ہو جاتے۔۔۔"[1]

اسی طرح شیخ الاسلام ابن تیمیہ نے تاتاریوں کے خلاف جنگ کے لیے ابھارتے ہوئے کہا تھا:

> "محقق علمائے کرام کے ہاں تاتاریوں کا حکم مسلمان حکمران کے خلاف بغاوت کرنے والوں جیسا نہیں ہے جو کہ حاکمِ وقت کی اطاعت سے انکار کر دیں اور علم بغاوت بلند کر دیں، جیسے کہ اہل شام نے امیر المؤمنین علی کی اطاعت سے ہاتھ کھینچ لیا تھا، اس کی وجہ یہ ہے کہ شامی مسلمانوں نے حاکمِ وقت کی اطاعت سے ہاتھ کھینچا تھا یا وہ ان کی حکمرانی کا ازالہ چاہتے تھے، جبکہ تاتاری تو اسلام سے ہی خارج ہیں، ان کا حکم زکاۃ روکنے والوں اور خارجیوں کا ہے، خارجیوں سے سیدنا علی نے جنگیں بھی لڑیں، [اس فرق کی] وجہ سے سیدنا علی نے اہل بصرہ، شام اور اہل نہروان سے جنگ کرنے کا انداز قدرے مختلف تھا چنانچہ شام اور بصرہ میں جنگ کے دوران آپ کا رویہ بھائی کا بھائی کے ساتھ والا رویہ تھا جبکہ خوارج سے لڑائی کے وقت اس کے برعکس تھا۔

نیز نبی کریم ﷺ سے نصوص واضح طور پر ثابت ہیں اور صحابہ کرام کا اجماع بھی ہے کہ سیدنا صدیق نے مانعین زکاۃ سے قتال کیا اور سیدنا علی نے خوارج سے جنگیں لڑیں، جبکہ اہل شام اور اہل بصرہ کے ساتھ رونما ہونے والے فتنے اور دنگے کے متعلق نصوص بھی موجود ہیں، تاہم صحابہ کرام اور تابعین کا ان کے بارے میں اختلاف تھا"[2]

---

(1) الصارم المسلول(347/2)

(2) مجموع الفتاوی(503/28)

چوتھی فصل:

اہم مباحث

پہلا مبحث

جس نے بھی غیر کفریہ عمل کی بناپر تکفیر کی اور اسی کی بناپر بغاوت کی تو وہ بھی خارجی اور دین سے باہر ہے، وہ چاہے کبیرہ گناہوں کی بناپر کفر نہ بھی کرے

مذموم بغاوت کا اصول یہ ہے کہ:

"غیر کفریہ عمل کی بناپر تکفیر اور اسی کی بناپر بغاوت کرتے ہوئے مسلمانوں کا قتل جائز سمجھیں۔"

اس کے متعلق دو اہم باتیں ہیں:

اول: ہم نے "غیر کفریہ" اس لیے کہا ہے کہ یہ لفظ "گناہ" سے بھی عام ہے، مقصد یہ ہے کہ اس میں کسی مباح یا مستحب عمل کی بناپر کی جانے والی تکفیر بھی شامل ہو جائے، جیسے کہ خوارج نے سیدنا علی اور معاویہ کی تکفیر اس لیے کی تھی کہ دونوں خونِ مسلم کے تحفظ کے لیے ثالثی پر متفق اور راضی ہو گئے تھے، یہ ثالثی کا تعین ایک مستحب عمل تھا، بلکہ یہ بھی ممکن ہے کہ اگر خونِ مسلم کا تحفظ ثالثی کے عمل سے ہی ممکن ہے تو یہ اس وقت واجب بھی ہو سکتا ہے۔

دوم: ہماری اختیار کردہ تعریف میں "غیر کفریہ" لفظ اس لیے استعمال کیا گیا ہے کہ اس میں ایک سے زیادہ امور کی بناپر تکفیر کرنے والے لوگ بھی شامل ہو جائیں، مثلاً: کچھ لوگ کبیرہ گناہوں کی وجہ سے تکفیر کرتے ہیں اور خارجیوں کے تقریباً تمام فرقے اس کے قائل و فاعل ہیں، یہ بہت اہم نکتہ ہے؛ کیونکہ بہت سے لوگ یہ سمجھتے ہیں کہ خارجی ہونے کے لیے کبیرہ گناہوں پر تکفیر کرنا لازمی امر ہے، لہٰذا اگر کوئی کبیرہ گناہوں کی بناپر تکفیر نہیں

کرتا تو جتنی بھی احادیث میں خارجیوں کی مذمت بیان کی گئی ہے وہ ان احادیث میں شامل نہیں ہوں گے، یہ فاش غلطی ہے، اس کی درج ذیل وجوہات ہیں:

1۔ جنگ نہروان کے موقع پر سیدنا علی نے جن خارجیوں سے لڑائی کی تھی تمام صحابہ کرام ان کے خلاف جنگ ہونے پر متفق تھے، لیکن وہ کبیرہ گناہوں کی بنا پر تکفیر کے قائل نہیں تھے، چنانچہ وہ زنا، شراب نوشی وغیرہ پر کسی کو کافر نہیں کہتے تھے، انہوں نے ثالثی بنانے کے عمل کو کفر قرار دیا تھا، اور یہ بات سب کے ہاں مسلمہ ہے کہ یہ لوگ سب سے پہلے خارجی تھے۔

اس کے بارے میں ابو بکر ابن العربی خوارج سے متعلق احادیث کی شرح لکھتے ہوئے کہتے ہیں:

> ''پانچویں بات: ان علامات کے حامل کون ہیں؟ اس کے جواب میں کہا گیا ہے کہ حروری، خارجی اور ان کے ہمنوا اس سے مراد ہیں، اس کی دلیل یہ ہے کہ آپ ﷺ کا فرمان ہے: (وہ لوگوں میں اختلاف کے وقت رونما ہوں گے) ایک حدیث میں الفاظ ہیں: (وہ بہترین جماعت کے خلاف خروج کریں گے) اور خارجیوں نے بالکل ایسے ہی کیا تھا، یہ اہل شام اور اہل عراق کے باہمی اختلاف کے وقت رونما ہوئے اور سیدنا علی کے گروہ پر بغاوت کی۔''

آگے چل کر ابن العربی کہتے ہیں:

> ''اس کی ایک دلیل یہ بھی ہے کہ نبی ﷺ نے فرمایا تھا: (ان کی علامت یہ بھی ہے کہ ان میں ایک شخص ایسی ایسی صفات کا حامل ہو گا) آپ نے وہ صفات ذکر فرمائی، تو انہی صفات کا حامل شخص علی کے خلاف باغیوں میں پایا گیا، اور اللہ اور اس کے رسول کا فرمان سچا ثابت ہوا۔''[1]

---

(1) عارضۃ الأحوذی (38/9)

تو اس سے بھی معلوم ہوتا ہے کہ احادیث میں مذکور مذمت اس پر بھی لاگو ہوتی ہے جو غیر کفریہ کاموں پر بھی تکفیر کریں، چاہے ان کاموں کی تعداد صرف ایک ہی ہو اور اس کی بنا پر قتل کو جائز سمجھیں۔

کبیرہ گناہوں کی وجہ سے تکفیر غالی قسم کے خارجیوں سے منقول ہے، جو کہ ابتدائی خوارج کے بعد رونما ہوئے، جیسے کہ ازارقہ اور عبد اللہ بن زبیر کے عہد میں رونما ہونے والے دیگر خارجی گروہ تھے۔

اس کے بارے میں ابو بکر ابن العربی کہتے ہیں:

"خارجیوں کی دو قسمیں ہیں:

پہلی قسم: کا کہنا ہے کہ -نعوذ باللہ- عثمان اور علی -- سمیت جنگ جمل میں شریک تمام لوگ کفار ہیں بلکہ ثالثی کے عمل پر راضی افراد بھی سارے کے سارے کافر ہیں۔

دوسری قسم: کا کہنا ہے کہ امت محمدیہ میں سے جس نے بھی کوئی گناہ کیا تو وہ دائمی طور پر جہنم میں رہے گا"(1)

شیخ عبد اللطیف بن عبد الرحمٰن بن حسن بن محمد بن عبد الوہاب رحمہم اللہ خارجیوں کے رونماہونے کا ذکر کرتے ہوئے کہتے ہیں:

"یہ ان کے متعلق خلاصہ ہے، آپ نے ان کے شبہ کو سمجھ لیا ہے جس کی وجہ سے انہوں نے سیدنا علی اور معاویہ سمیت ان کے رفقا کو واشگاف لفظوں میں کافر قرار دیا، ان کا یہی موقف اس واقعہ کے بعد آنے والے تمام خارجی گروہوں میں باقی رہا، چنانچہ غالی قسم کے خارجی گناہوں کی بنا پر لوگوں کو کافر کہتے رہے، ان کی وقتی طور پر حکومت بھی قائم ہوگئی تو ان کا مقابلہ مہلب بن ابو صفرہ نے کیا،

---

(1) عارضۃ الأحوذی (38/9)

حجاج بن یوسف نے بھی ان کا صفایا کیا، ان سے پہلے مصعب بن زبیر نے بھی سیدنا عبداللہ بن زبیر کے عہد میں ان سے جنگیں لڑیں، اس زمانے میں خارجی شرک سے ہلکے گناہوں پر بھی سرِعام تکفیر کرتے تھے"[1]

حافظ ابن حجر کہتے ہیں:

"سیدنا علی کے خلاف رونما ہونے والے خارجی جنہوں نے ثالثی کے عمل کو کفر قرار دیا اور پھر سیدنا عثمان اور سیدنا علی اور ان کی آل سے اظہار براءت کیا اور جنگیں بھی لڑیں، اگر ان خارجیوں کی جانب گناہوں کی وجہ سے تکفیر منسوب کی جائے تو اس سے غالی قسم کے خارجی مراد ہوتے ہیں"[2]

1۔ ان خارجیوں کی مذمت کے متعلق آنے والی احادیث جن میں کچھ پہلے بھی ذکر ہو چکی ہیں ان احادیث میں کبیرہ گناہوں کی بنا پر تکفیر کا کوئی تذکرہ نہیں ہے؛ کہ ان میں مذکور مذمت کو کسی بھی خارجی فکر پر لاگو کرنے کے لیے اسے شرط قرار دیا جا سکے، بلکہ ان احادیث میں ایسی علامات ذکر کی گئیں ہیں جن کی وجہ سے وہ مذمت اور وعید کے حقدار ٹھہرتے ہیں، جیسے کہ آپ ﷺ کا فرمان ہے:

فرمانِ نبوی: (وہ بت پرستوں کو چھوڑ کر اہل اسلام کو قتل کریں گے)

فرمانِ نبوی: (وہ قرآن پڑھیں گے لیکن ان کی ہنسلیوں سے نیچے نہیں اترے گا)

اور فرمانِ نبوی ہے: (بات بہت اچھی کریں گے لیکن ان کے عمل برے ہوں گے)

تو جس وقت ہم سیدنا علی کے خلاف بغاوت کرنے والے لوگوں کے کردار اور گفتار پر نظر دوڑاتے ہیں تو ہمیں وہ حکمرانوں اور علمائے کرام پر زبان درازی کرتے ہوئے دکھتے ہیں، قرآن کی حقیقی تفسیر کی بجائے من مانی تفسیر کرتے ہیں، جو کام کفریہ نہیں ہیں ان کی وجہ سے مسلمانوں کو کافر قرار دیتے ہیں، اس بنا پر مسلمانوں کے مال و جان اور عزت آبرو کو اپنے لیے

---

(1) الدرر السنیۃ(229/9)

(2) ہدی الساری(483)

حلال سمجھتے ہیں، تو اس سے معلوم ہوا کہ جو بھی ان کے منہج پر چلتے ہوئے آگے بڑھے انہی کے نقش قدم پر چلے تو احادیث میں مذکور مذمت اس پر بھی لاگو ہو گی۔ (1)

امام شاطبیؒ خارجیوں کا تذکرہ کرنے کے بعد کہتے ہیں:

"ان لوگوں کا حکم بھی خارجیوں والا ہی ہو گا جو ان کا منہج اپنائے؛ چنانچہ منہج کے اعتبار سے خارجیوں کے قریب ترین مہدی مغربی کے ہمنوالوگ ہیں؛ کیونکہ ان میں نبی ﷺ کی بیان کردہ خوارج کی دو خصوصی علامات پائی جاتی ہیں؛ ایک یہ کہ: (وہ قرآن پڑھیں گے لیکن ان کی ہنسلیوں سے نیچے نہیں اترے گا) اور دوسری علامت یہ ہے کہ: (وہ بت پرستوں کو چھوڑ کر اہل اسلام کو قتل کریں گے)" (2)

یہی وجہ ہے کہ کچھ سلف صالحین مختلف اہل بدعت گروہوں کو خوارج سے تعبیر کرتے تھے؛ کیونکہ اہل بدعت شریعت سے خارج ہوتے ہیں اور اس کا آخری نتیجہ یہی نکلتا ہے کہ تلوار اٹھا کر بغاوت کر دی جائے۔

امام شاطبیؒ خوارج کی احادیث ذکر کرنے کے بعد کہتے ہیں:

"کوئی یہ بات نہ کہے کہ یہ احادیث صرف مخصوص لوگوں کے بارے میں تھیں، ان کے بعد آنیوالے لوگوں پر انہیں لاگو نہیں کیا جا سکتا؛ کیونکہ علمائے کرام نے ان آیات کے ذریعے تمام اہل بدعت کے خلاف اسی طرح استدلال کیا ہے، جس طرح آیات سے بھی کیا ہے۔۔۔" (3)

1۔ خوارج کے تمام مشہور فرقے ہر کبیرہ گناہ پر تکفیر کے قائل نہیں؛ کیونکہ ان میں سے

---

(1) دیکھیں: الاعتصام (726/2)

(2) مثال کے طور پر نجدہ بن عامر حنفی کے ہمنوالوگ، یہ سن 65 ہجری میں یمامہ کے علاقے میں رونما ہونے والے لوگ ہیں انہوں نے عبداللہ بن زبیر کے خلاف بغاوت کی تھی، ان کا خاتمہ اسد قسری کے ہاتھوں عبدالملک بن مروان کے عہد میں ہوا تھا۔

(3) الاعتصام (726/2)

کچھ ایسے بھی ہیں جو کبیرہ گناہ پر تکفیر نہیں کرتے جیسے کہ خارجیوں کا نجدات گروہ، یہ خارجیوں کا بنیادی فرقہ ہے۔

اس کے بارے میں ابوالحسن اشعری کہتے ہیں:

"سیدنا علی کے ثالثی مقرر کرنے پر تمام خارجی گروہ ان کو اجماعی طور پر کافر سمجھتے ہیں، تاہم ان کا اس بات میں اختلاف ہے کہ کیا ان کا کفر شرک تھا یا نہیں؟ اسی طرح تمام خارجی گروہوں کا اجماع ہے کہ ہر کبیرہ گناہ کفر ہے، البتہ ان میں نجدات اس بات کے قائل نہیں ہیں، اسی طرح تمام خارجیوں کا اجماع ہے کہ اللہ تعالی کبیرہ گناہ کے مرتکب کو دائمی عذاب دے گا، اس میں بھی نجدات اس کے قائل نہیں ہیں"[1]

❀❀❀❀

(1) مقالات الاسلامیین(170/1)

دوسرا مبحث

خوارج کے سنگین جرائم میں سے ذمیوں اور معاہدین کا قتل

جس طرح پہلے بیان کیا گیا ہے کہ خوارج اہل سنت کی مخالفت کرتے ہوئے مسلمانوں کے قتل کو گناہ کی وجہ سے بھی جائز قرار دیتے ہیں اسی طرح وہ ان لوگوں کو بھی قتل کرنے کے قائل ہیں جنہیں اللہ تعالی کی شریعت نے معصوم قرار دیا ہے، مثال کے طور پر: معاہدین، ذمی اور اہل کتاب وغیرہ۔

چنانچہ اس بارے علامہ شہرستانی کہتے ہیں:

"نجدہ بن عامر نے دار تقیہ [1] میں معاہدین اور ذمیوں کو قتل کرنا جائز قرار دیا ہے اور جو ان کے قتل کو حرام کہے اس سے براءت کا اظہار کیا ہے"[2]

اس سے یہ بھی معلوم ہوا کہ معاہدین اور ذمیوں اور پناہ گزینوں کو قتل کرنا جو شخص جائز سمجھے وہ خوارج کی راہ پر گامزن ہے؛ کیونکہ اس نے مسلمانوں کی اہل کتاب کو دی ہوئی امان کو نافذ العمل نہیں سمجھا، اور یہ سنت کی رو سے مخالفت اور اجماعِ امت کی خلاف ورزی ہے۔

❀❀❀❀

---

(1) دار تقیہ خوارج کی خاص اصطلاح ہے، اس کے مقابلے میں دار اعلانیہ ہے، پہلی کا مطلب یہ ہے کہ ایسی جگہ جہاں پر خوارج کے مخالف مسلمان زیادہ ہوں، اور دوسری سے مراد وہ جگہ ہیں جہاں پر صرف خوارج رہتے ہوں۔[مترجم]

(2) الملل والنحل (118/1)

تیسرا مبحث

اس بارے میں احادیث نبویہ کہ فاسق مسلم حکمران کے خلاف بغاوت کرنا جائز نہیں ہے،اور امت اسلامیہ کا اس پر اجماع ہے

جب تک مسلمان حاکم سے ایسا کفر صادر نہ ہو جس کے کفر ہونے کے متعلق سب مسلمان متفق ہوں تو محض ظلم و زیادتی اور فسق و فجور کی بنا پر مسلمان حاکم کے خلاف بغاوت کرنا جائز نہیں ہے ، اس کے متعلق احادیث کی بہت بڑی تعداد موجود ہے ان میں سے کچھ دوسری فصل میں گزر چکی ہیں اور ان کے اسی معنی اور مفہوم کے متعلق ساری امت کا متفقہ طور پر اجماع بھی ہے۔ بلکہ یہ چیز اہل سنت والجماعت کے ہاں عقائد کے بنیادی مسائل میں شامل ہے، نیز اہل سنت نے ان مسائل میں اہل بدعت اور خصوصی طور پر خارجیوں کی اس میں واضح مخالفت کی ہے، نیز عقیدے کی چھوٹی بڑی کوئی ایسی کتاب نہیں ہے جس میں اس موضوع پر گفتگو نہ کی گئی ہو۔

چنانچہ ابن بطال کہتے ہیں:

"ان احادیث میں ظالم حکمرانوں کے خلاف بغاوت ترک کرنے اور اس کی سمع و اطاعت کرنے کی واضح دلیل ہے، نیز فقہائے کرام کا بھی اس بات پر اجماع ہے کہ صاحب تسلط حکمران کی اطاعت لازمی امر ہے جب تک وہ نماز جمعہ اور خود جہاد کا اہتمام کریں، فقہائے کرام کا اس بات پر بھی اتفاق ہے کہ ظالم حکمران کی اطاعت اس کے خلاف بغاوت کرنے سے بہتر ہے؛ کیونکہ اس طرح سے معصوم جانوں کو تحفظ ملتا ہے اور کوئی نئی مصیبت کھڑی نہیں ہوتی۔"

اس سے آگے چل کر مزید کہتے ہیں:

"اور نبی ﷺ کی نصیحت: (یہ کہ ہم حکمرانوں سے قیادت چھیننے کی کوشش بھی نہیں کریں گے، الا کہ ہم بالکل واضح طور پر کفر اکبر دیکھ لیں) ان سب احادیث میں حکمرانوں کے خلاف بغاوت نہ کرنے کی ترغیب ہے، نیز مسلمانوں کے متفقہ حکمران کو متنازعہ مت بنائیں، نیز کسی کے خون بہنے اور بے حرمتی کا باعث مت بنیں، الا کہ حکمران اسلامی تعلیمات سے ہٹ کر کوئی کام کرے"(1)

امام نووی کہتے ہیں:

"اس حدیث کا مطلب یہ ہے کہ حکمرانوں سے کرسی چھیننے کی کوشش مت کرو اور ان کے راستے میں رکاوٹیں کھڑی نہ کرو الا کہ تم اسلامی قواعد و ضوابط کے مطابق کوئی برائی دیکھو تو اس کی تردید کرو اور کلمۂ حق کہو چاہے تمہارا کچھ بھی مقام و مرتبہ ہو، لیکن حکمرانوں کے خلاف بغاوت کرنا اور ان کے خلاف ہتھیار اٹھانا تو یہ مسلمانوں کے اجماع کے مطابق حرام ہے چاہے حکمران ظالم اور فاسق ہی کیوں نہ ہوں، میں نے جو یہ مفہوم بیان کیا ہے اس بارے میں احادیث کی ایک بڑی تعداد موجود ہے، نیز اہل سنت کا اس بات پر اجماع ہے کہ حکمران کو محض فاسق ہونے کی بنا پر معزول نہیں کیا جا سکتا، البتہ ہمارے شافعی فقہائے کرام کی کچھ کتابوں میں یہ ذکر ہے کہ ایسے حکمران کو معزول کر دیا جائے گا اور معتزلہ سے بھی ایسا ہی موقف منقول ہے تو یہ غلط ہے اور اجماع کی مخالفت ہے"

آگے چل کر انہوں نے کہا:

"قاضی کہتے ہیں: یہ بھی کہا گیا ہے کہ ظالم حکمرانوں کے خلاف بغاوت ابتدا میں جائز تھی پھر بعد میں اس کے منع ہونے پر اجماع ہو گیا تھا"(2)

---

(1) شرح صحیح بخاری از ابن بطال (8/10)
(2) شرح مسلم: (469/12) حدیث نمبر (1709)

اور شیخ الاسلام ابن تیمیہ کہتے ہیں:

"مسلمانوں میں بڑی نامور شخصیات فتنوں میں بغاوت اور لڑنے سے منع کیا کرتے تھے، جیسے کہ عبداللہ بن عمر، سعید بن مسیب، علی بن حسین رحمۃاللہ علیہما اور دیگر بڑی بڑی نامور شخصیات حرّہ کے سال یزید کے خلاف بغاوت سے روکتے تھے، اسی طرح حسن بصری، مجاہد اور دیگر ابن اشعث (1) کے فتنے میں لڑنے سے روکتے تھے، یہی وجہ ہے کہ جس وقت معاملات سدھر گئے تو اہل سنت علمائے کرام نے نبی ﷺ کی صحیح ثابت شدہ احادیث کی روشنی میں فتنوں کے اندر شمولیت سے روکا اور لڑائی ختم کرنے کی ترغیب دلائی، چنانچہ اہل علم ان امور کو اپنے عقائد میں بیان کرتے تھے، اور ظالم حکمرانوں کے ظلم پر صبر کرنے اور ان سے لڑائی نہ کرنے کی ترغیب دلاتے تھے" (2)

ایک اور جگہ پر کہتے ہیں:

"یہی وجہ ہے کہ اہل سنت والجماعت کا اصول ہے کہ حکمرانوں کے ساتھ اجتماعیت قائم رہے اور حکمرانوں کے خلاف ہتھیار نہ اٹھایا جائے، خراب حالات میں لڑنے سے بچیں، جبکہ بدعتی گروہ جیسے کہ معتزلی وغیرہ ہیں وہ ظالم حکمرانوں کے خلاف بغاوت کو اپنے دینی اصولوں میں شمار کرتے ہیں" (3)

---

(1) یہ عبدالرحمن بن محمد بن اشعث ہیں، انہوں نے حجاج اور عبدالملک بن مروان کی بیعت توڑ دی تھی اور سن 81ہجری کو عراق میں اعلان بغاوت کر دیا تھا، اہل عراق میں سے بہت سے لوگ ان کے ساتھ تھے جن میں علمائے کرام اور انتہائی عبادت گزار لوگ بھی شامل تھے، انہوں نے حجاج سے عراق کا کافی حصہ اپنے قبضے میں لے لیا تھا، حالات بہت زیادہ سنگین ہو گئے تھے اور آخر کار ابن اشعث کو حجاج کے ہاتھوں شکست ہوئی اور ان کے تمام ہمنواؤں کو قتل کر دیا گیا، اس فتنے میں حجاج نے جن کو باندھ کر قتل کیا تھا صرف ان کی تعداد ایک لاکھ تیس ہزار تھی، جن میں سے چار ہزار عراق کے علمائے کرام اور عبّاد تھے، جبکہ اشعث کو قید کر کے حجاج کے پاس لے جا رہے تھے تو انہوں نے خود سوزی کر لی تھی، مکمل قصہ کتاب کے دوسرے حصے میں آئے گا۔

(2) منہاج السنہ (298/12)

(3) مجموع الفتاوی (128/28)

حافظ ابن حجر حسن بن صالح بن حیؒ کے حالات لکھتے ہوئے کہتے ہیں:

"ان کے حالات مدوّن کرنے والوں کا کہنا ہے کہ یہ ظالم حکمرانوں کے خلاف مسلح بغاوت کے قائل تھے، یہ سلف کا ابتدا میں موقف تھا، لیکن اہل علم نے جب یہ دیکھا کہ معاملات اس سے بگڑتے ہیں تو پھر انہوں نے اپنی رائے تبدیل کر لی اور بغاوت کو ناجائز سمجھتے تھے؛ کیونکہ واقعہ حرّہ اور ابن اشعث کے وقوعے میں عقلمند کے لیے اشارہ کافی ہے"[1]

❀❀❀❀

---

(1) تہذیب التہذیب(288/2)

چوتھا مبحث

کچھ اہل علم کی ظالم حکمرانوں کے خلاف بغاوت جواز کے لیے دلیل نہیں ہے

چند اہل علم کا ظالم حکمرانوں کے خلاف بغاوت کرنا اس کے جواز کے لیے دلیل نہیں ہے، مثلاً: حسین بن علی اور اہل مدینہ نے یزید بن معاویہ کے خلاف بغاوت کی، اسی طرح ابن اشعث کے ہمراہ متعدد اہل علم نے حجاج کے خلاف بغاوت کی ان میں سعید بن جبیر بھی شامل تھے، اسی طرح نفسِ زکیہ (1) اور ان کے بھائی ابراہیم کی ابو جعفر المنصور کے خلاف بغاوت وغیرہ۔

یہ واقعات دلیل کیوں نہیں بنتے؟ اس کی درج ذیل چار وجوہات ہیں:

پہلی وجہ: کتاب وسنت کے مخالف اور اجماعِ امت سے تصادم رکھنے والا کسی کا بھی عمل ہمارے لیے دلیل اور حجت نہیں ہے، یہ اہل سنت والجماعت کے ہاں دینِ اسلام کا بدیہی اور انتہائی بنیادی ترین اصول ہے، نیز حکمرانوں کے ظلم پر صبر کرنے کا حکم دینے والی احادیث اور ان کے خلاف بغاوت سے روکنے والی روایات اس بارے میں بالکل واضح ہیں، کسی کے پاس ایسی کوئی دلیل نہیں ہے جو ان روایات سے متعارض ہو۔

چنانچہ محمد بن خلِفہ بن عمر الاُبّی شارح صحیح مسلم، حکمرانوں کی اطاعت کرنے اور نافرمانی سے روکنے والی احادیث ذکر کرنے کے بعد کہتے ہیں:

---

(1) اس سے محمد بن عبد اللہ بن الحسن بن زید بن الحسن بن علی بن ابی طالب مراد ہیں، خلافتِ بنو امیہ کے اواخر میں بنو ہاشم نے ان کی بیعت کر لی تھی، لیکن اس سے خلافت بنو عباس میں چلی گئی، انہوں نے ابو جعفر المنصور کے خلاف 145 ہجری میں بغاوت کی تھی، انہیں ان کے رفقاء سمیت قتل کر دیا گیا تھا، رحمہم اللہ جمیعاً، ان کے بارے میں تفصیل کتاب کے دوسرے حصے میں آئے گی۔

"اس مسئلے میں تمام احادیث بالکل واضح ہیں اور ظالم حکمرانوں کے خلاف بغاوت سے روکنے میں صریح بھی ہیں"[1]

نیز کتاب وسنت کو انفرادی موقف اور لوگوں کی آرا پر مقدم رکھنے کے متعلق دلائل بہت زیادہ ہیں، ان سب کو شمار کرنا بھی مشکل ہے، میں ان میں سے چند صرف یاد دہانی کے لیے ذکر کرتا ہوں:

فرمانِ باری تعالی ہے:

﴿يَاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اَطِيْعُوا اللّٰهَ وَ اَطِيْعُوا الرَّسُوْلَ وَ اُولِي الْاَمْرِ مِنْكُمْ ۚ فَاِنْ تَنَازَعْتُمْ فِيْ شَيْءٍ فَرُدُّوْهُ اِلَى اللّٰهِ وَ الرَّسُوْلِ اِنْ كُنْتُمْ تُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ وَ الْيَوْمِ الْاٰخِرِ ؕ ذٰلِكَ خَيْرٌ وَّ اَحْسَنُ تَاْوِيْلًا ۝﴾ [النساء:59]

"اے ایمان والو! اللہ کی اور اس کے رسول کی اطاعت کرو اور ان حاکموں کی بھی جو تم میں سے ہوں۔ پھر اگر کسی بات پر تمہارے درمیان جھگڑا پیدا ہو جائے تو اگر تم اللہ اور آخرت کے دن پر ایمان رکھتے ہو تو اس معاملہ کو اللہ اور اس کے رسول کی طرف پھیر دو۔ یہی طریق کار بہتر اور انجام کے لحاظ سے اچھا ہے۔"

دوسری جانب رسول اللہ ﷺ کا فرمان ہے: (جب میں تمہیں کسی چیز سے روکوں تو مکمل طور پر اس سے اجتناب کرو، اور جب میں تمہیں کوئی کام کرنے کا کہوں تو پھر اپنی استطاعت کے مطابق اسے ادا کرو)[2]

ابن عباس احادیث رسول کو مسترد کرنے والوں کے بارے میں کہتے ہیں: "مجھے تو یہ تباہ ہوتے ہوئے نظر آرہے ہیں! میں انہیں کہہ رہا ہوں کہ: "رسول اللہ ﷺ کا فرمان اس طرح ہے" اور یہ اس کے مقابلے میں کہہ رہے ہیں کہ: "ابو بکر و عمر نے یوں کہا"[3]

(1) شرح صحیح مسلم از اُبّی (196/5)

(2) بخاری: (7288)، مسلم: (1337) نے اسے ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے۔

(3) مسند احمد: (337/1)

ایک شخص نے ابن عمر کو حج تمتع کے بارے میں کہا: "تمہارے والد نے اس سے منع کیا ہے" تو اس کے جواب میں ابن عمر نے کہا: "اچھا تم ہی بتلاؤ کہ اگر میرے والد نے اس سے روکا ہے جبکہ رسول اللہ ﷺ نے کر کے دکھایا ہے تو ایسی صورت میں میرے والد کا حکم مانا جائے گا یا رسول اللہ ﷺ کی بات مانی جائے گی؟" تو اس پر اس شخص نے کہا: "رسول اللہ ﷺ کی بات مانی جائے گی" تو ابن عمر نے کہا: "تو پھر رسول اللہ ﷺ نے حج تمتع کیا تھا"(1)

امام شافعی کہتے ہیں:

"تمام لوگوں کا اس بات پر اجماع ہے کہ جس کے لیے رسول اللہ ﷺ کی سنت واضح ہو جائے تو اب وہ کسی کے موقف کی بنا پر حدیث کو نہیں چھوڑ سکتا"(2)

اس لیے علمائے کرام کے موقف کے لیے دلیل تلاش کی جاتی ہے، ان کے موقف کو دلیل نہیں بنایا جا سکتا؛ کیونکہ نبی ﷺ کے علاوہ کوئی بھی ایسا نہیں ہے جس کی بات رد نہ ہو سکے۔

چنانچہ جن اہل علم نے ظالم حکمرانوں کے خلاف بغاوت کی تو ان کے لیے عذر شیخ الاسلام ابن تیمیہ نے اپنی اس گفتگو میں بیان کیا ہے:

"دوسری وجہ: جو شخص ہتھیار اٹھا کر اہل سنت والجماعت کے عقیدے سے متصادم رائے کی جانب دعوت نہیں دیتا، جیسے کہ جنگ جمل، صفین، حرّہ، جماجم اور دیگر مواقع پر ہوا، بلکہ اس کا گمان یہ ہوتا ہے کہ ہتھیار اٹھانے سے مطلوبہ مثبت اہداف حاصل ہو جائیں گے تو یہ اس کی خام خیالی ہے، بلکہ پہلے سے زیادہ حالات خراب ہوتے ہیں، اور آخر میں جا کر انہیں وہ بات سمجھ میں آتی ہے جو شریعت شروع سے ہی انہیں سمجھا رہی ہے، ان لوگوں میں کچھ ایسے

---

(1) ترمذی: (824) اسے نووی نے المجموع: (155/7) میں اور البانی نے صحیح ترمذی: (658) میں اور مقبل الوادعی نے المسند الصحیح (774) میں صحیح قرار دیا ہے۔
(2) اعلام الموقعین (282/2)

بھی ہوتے ہیں جنہیں اس نفس معاملہ میں شرعی نصوص کا ادراک نہیں ہوتا، یا ادراک تو ہوتا ہے لیکن اس کے ہاں ثابت شدہ نہیں ہوتیں، جبکہ کچھ ایسے بھی ہوتے ہیں جو ان نصوص کو منسوخ سمجھتے ہیں جیسے کہ ابن حزم [کچھ ایسی نصوص کو منسوخ سمجھتے تھے] اور کچھ ایسے بھی ہوتے ہیں جو ان نصوص کی تاویل کرتے ہیں اور یہ چیز بہت سے مجتہدین میں پائی جاتی ہے۔

ان تین وجوہات کی بنا پر ہی اہل علم کچھ نصوص پر عمل ترک کر دیتے ہیں، یعنی: یا تو روایات ان کے ہاں نبی ﷺ تک پایۂ ثبوت تک نہیں پہنچتیں، یا پھر اسے متعلقہ مسئلے کے متعلق نہیں سمجھتے، یا پھر اسے منسوخ سمجھتے ہیں"(1)

اسی طرح ایک اور مقام پر کہتے ہیں:

"اہل حرّہ، ابن اشعث کے رفقا، اور ابن المہلب(2) کے ساتھی اور دیگر باغی سب کو شکست کا سامنا کرنا پڑا، انہوں نے اپنی بغاوت کے ذریعے نہ تو اقامتِ دین کا کام کیا اور نہ ہی ان کی دنیا بن سکی۔ اور اللہ تعالی کسی بھی ایسے کام کا حکم نہیں دیتا جس میں دینی یا دنیاوی کوئی بھی فائدہ نہ ہو، چاہے ایسے بے فائدہ کام کرنے والا اللہ تعالی کے ولیوں میں سے انتہائی متقی، پرہیزگار اور اہل جنت میں سے ہی کیوں نہ ہو، [مذکورہ باغی] علی، عائشہ، طلحہ اور زبیر و دیگر [بغاوت نہ کرنے والے صحابہ کرام اور اہل علم] سے افضل نہیں ہیں، [بغاوت کرنے والے افراد] کی نیت اور ارادہ اللہ تعالی کے ہاں بہت بلند پائے کا ہے، لیکن پھر بھی ان کی مسلح بغاوت لائق تحسین عمل نہیں، اسی طرح واقعہ حرّہ میں بھی علم و عمل کے پیکر افراد شامل تھے، ابن اشعث کے ساتھی بھی دیندار اور اہل علم تھے، لیکن ان

---

(1) منہاج السنہ (538/4)

(2) اس سے مراد یزید بن مہلب ہیں، انہوں نے یزید بن عبدالملک کے خلاف عراق میں سن 101 ہجری میں بغاوت کی تھی، ان کی یہ باغی تحریک ان کے سمیت ان کے بہت سارے ساتھیوں کے قتل پر ختم ہوئی، ان کا واقعہ دوسرے حصے میں آئے گا۔

سب کا یہ عمل قابل تعریف نہیں ہے، اللہ تعالیٰ ان سب کی مغفرت فرمائے۔" [1]

اسی طرح ابن تیمیہ ایک اہم ترین اصول بیان کرتے ہوئے کہتے ہیں:

"اس مسئلے میں یہ بات ذہن نشین رکھنا ضروری ہے کہ: علم و عمل اور اعلی دیندار شخص چاہے اس کا تعلق صحابہ کرام، تابعین عظام، اہل بیت یا قیامت تک آنے والے نیک لوگوں میں سے ہو بسا ان سے بھی اجتہادی غلطی ہو جاتی ہے جس کی وجہ سے غیر مناسب نتائج سامنے آتے ہیں تو ایسی صورت میں ان کے پیچھے نہیں لگنا چاہیے، چاہے وہ اللہ تعالیٰ کے متقی ولیوں میں سے ہی کیوں نہ ہو، نیز ایسی صورت حال پیدا ہو بھی جائے تو یہ دو قسم کے لوگوں کے لیے آزمائش بن جاتی ہے:

1۔ وہ لوگ جو ان کے اس عمل کو درست قرار دینے کے لیے سر توڑ کوشش کرتے ہیں اور ان کا ساتھ دینے کے لیے ابھارتے ہیں۔

2۔ وہ لوگ جو اس نیک آدمی کی مذمت کرتے ہیں جن سے ان کی نیک نامی متاثر ہوتی ہے، بلکہ ایسی باتیں بھی کر جاتے ہیں جن سے محسوس ہوتا ہے کہ وہ جنت میں نہیں جائے گا، کبھی معاملہ ان کو دائرہ ایمان سے باہر نکالنے تک پہنچ جاتا ہے۔

یہ دونوں قسم کے لوگ غلط راستے پر ہیں" [2]

دوسری وجہ: یہ بات بہت سے اہل علم سے ثابت ہو چکی ہے کہ انہوں نے حکمرانوں کے خلاف بغاوت شروع کی یا شروع کرنے ہی والے تھے کہ انہیں سمجھ آ گئی اور اپنے موقف سے رجوع کر لیا، اسی طرح کچھ اہل علم سے بغاوت کے بعد اپنے کئے پر ندامت اور پشیمانی بھی ثابت ہے، جیسے کہ حسین بن علی سے ثابت ہے کہ جب انہیں معلوم ہوا کہ اہل عراق نے ان کے ساتھ دھوکا کیا ہے تو انہوں نے یزید بن معاویہ کے خلاف بغاوت سے رجوع کر لیا تھا؛

---

(1) منہاج السنہ: (528/4)

(2) منہاج السنہ (543/4)

کیونکہ انہیں معلوم ہو چکا تھا کہ مزید آگے بڑھنے سے نقصانات اور فتنہ وفساد مزید بڑھے گا۔

چنانچہ ابن تیمیہ رحمہ اللہ کہتے ہیں:

"علی کو آخر کار یہی بہتر معلوم ہوا کہ فائدہ جنگ کرنے میں نہیں بلکہ نہ کرنے میں ہے، اسی طرح حسین کو بھی ظلم کرتے ہوئے شہید کیا گیا وہ اس وقت امارت کے خواہاں نہیں تھے، وہ اپنے علاقے میں واپس جانا چاہتے تھے یا سرحدوں پر تعینات ہونا چاہتے تھے یا پھر اس وقت کے حکمران یزید کے ہاتھ پر بیعت کرنا چاہتے تھے۔

اگر کوئی یہ کہے کہ علی اور حسین نے آخر کار جنگ ترک کرنے کو بہتر اس لیے سمجھا تھا کہ اس سے ان کے ہمنواؤں میں اضافہ نہیں ہوگا، بلکہ جانیں ہی ضائع ہوں گی اور مقصد پھر بھی حاصل نہیں ہوگا۔

تو اسے کہا جائے گا کہ: یہی تو وہ حکمت ہے جس کی وجہ سے رسول اللہ ﷺ نے حکمرانوں کے خلاف بغاوت کرنے سے روکا، خراب حالات میں لڑائی نہ کرنے کو اچھا عمل قرار دیا، اگرچہ خراب حالات میں بھی جنگ کرنے والے یہی سمجھتے رہے کہ یہ امر بالمعروف اور نہی عن المنکر ہے، جیسے کہ واقعہ حرّہ کے موقع پر یزید کے خلاف بغاوت کرنے والے اور جماجم کے واقعہ میں حجاج کے خلاف بغاوت کرنے والے سمجھتے رہے۔

لیکن یہاں یہ بات سمجھنے والی ہے کہ اگر برائی کا خاتمہ اس سے بھی بڑی برائی کے ذریعے ہو تو چھوٹی برائی کا خاتمہ بھی برائی متصور ہوگا، بالکل اسی طرح اگر کوئی فائدہ کسی بڑی غلطی کے بغیر ممکن نہ ہو کہ اس کے منفی اثرات ممکنہ فائدے سے سنگین نکلیں تو پھر ایسے فائدے کا حصول بھی غلطی ہوگی"[1]

---

(1) منہاج السنہ (535/4)

جس وقت عامر شعبی ابن اشعث کے ساتھ بغاوت میں شریک تھے تو انہیں کہا گیا: عامر تمہاری عقل اور علم کہاں چلے گئے ؟اس کے جواب میں انہوں نے یہ شعر پڑھ دیا:

عَوَى الذِّئْبُ فَاسْتَأْنَسْتُ بِالذِّئْبِ إِذْ عَوَى
وَصَوَّتَ إِنْسَانٌ فَكِدْتُ أَطِيْرُ

"بھیڑیا بولا تو مجھے بھیڑیے کی آواز اچھی لگی، لیکن جب انسان کی آواز آئی تو میں ہکا بکا رہ گیا!!

ہم آزمائش میں گھر گئے اور اس آزمائش میں نہ تو کوئی اچھا کام کر سکے اور نہ ہی غلطی پر ہوتے ہوئے بغاوت میں کامیاب ہو سکے" (1)

تیسری وجہ: سلف میں سے کچھ لوگوں نے بغاوت صرف اس بنا پر نہیں کیا کہ حکمران فاسق اور فاجر ہے، بلکہ کچھ کے ہاں تو حکمرانوں کا کفر تک ثابت ہو چکا تھا، جیسے کہ حجاج کے خلاف بغاوت کرنے والوں میں کچھ ایسے بھی تھے جنہوں نے حجاج پر کفر کا حکم لگا کر ہی اس کے خلاف بغاوت کی تھی۔

چنانچہ اس بارے میں حافظ ابن کثیر کہتے ہیں:

"اوزاعی کہتے ہیں: میں نے قاسم بن مخیمرہ کو کہتے ہوئے سنا کہ: حجاج اسلامی شعائر کو ختم کر رہا ہے، ساتھ میں اس کا واقعہ بھی ذکر کیا۔

ابو بکر بن عیاش، عاصم سے بیان کرتے ہیں کہ: حجاج بن یوسف نے کوئی ایسا گناہ نہیں چھوڑا تھا جو اس نے نہ کیا ہو۔

اسی طرح یحیی بن عیسی رملی، اعمش سے بیان کرتے ہیں کہ: لوگوں کی حجاج کے بارے میں آرا مختلف ہوئیں تو انہوں نے مجاہد سے استفسار کیا، اس پر مجاہد نے کہا: تم کافر بوڑھے کے بارے میں پوچھتے ہو؟

---

(1) منہاج السنہ (529/4) اس واقعے کو امام بیہقی نے سنن کبری (412/6) اور ابو نعیم نے اپنی کتاب حلیۃ الاولیاء میں عامر شعبی کی سوانح میں تفصیل کے ساتھ ذکر کیا ہے۔

اسی طرح ابن عساکر، شعبی سے بیان کرتے ہیں کہ: حجاج جادو اور شیطان پر ایمان رکھتا تھا، وہ اللہ تعالی کا منکر تھا۔ یہ شعبی کا موقف ہے، اس کی حقیقت اللہ تعالی ہی بہتر جانتا ہے۔

ثوری معمر کے واسطے سے ابن طاؤس سے بیان کرتے ہیں وہ اپنے والد سے کہ: ہمیں اپنے عراقی بھائیوں پر تعجب ہے کہ وہ حجاج کو مومن سمجھتے ہیں"[1]

حافظ ابن کثیر پھر کہتے ہیں:

"[صحیح مسلم کی حدیث میں مذکور] مُبِیر [سفّاک، ظالم اور جابر] سے مراد حجاج بن یوسف ہے، یہ ناصبی ذہن کا مالک اور بنی امیہ میں سے آل مروان کی طرف داری کرتے ہوئے علی اور ان کے ہمنواؤں سے بغض رکھتا تھا، حجاج بن یوسف انتہائی جابر، اکھڑ مزاج، اور سفّاک طبیعت کا مالک تھا، ذرہ سی بات پر قتل کروا دیتا تھا، جیسے کہ ہم پہلے بھی ذکر کر چکے ہیں کہ حجاج بن یوسف سے انتہائی گھٹیا اور سنگین قسم کی باتیں بھی منقول ہیں جن کے ظاہری مفہوم تو کفر ہی بنتا ہے، چنانچہ اگر حجاج نے ان الفاظ سے توبہ کر لی ہو تو ٹھیک ہے ورنہ وہ الفاظ اب بھی اس کے گلے میں ہیں، تاہم اس بات کا بھی خدشہ ہے کہ حجاج بن یوسف کی طرف یہ باتیں مبالغہ آرائی کے ساتھ منسوب کی گئی ہوں؛ کیونکہ شیعہ حجاج بن یوسف کے شدید مخالف تھے اور اس مخالفت کی کئی وجوہات تھیں، تو ممکن ہے کہ شیعوں نے حجاج کے الفاظ میں رد و بدل کر دیا ہو، اور حجاج کی خرابیاں اور زبان درازیاں ذکر کرتے ہوئے مبالغہ آرائی سے کام لیا ہو"[2]

حجاج کے معاملے میں اُبّی قاضی عیاض سے بیان کرتے ہیں کہ:

"حجاج کے خلاف تابعین کی کثیر تعداد اور ابتدائی دور کی عظیم شخصیات نے جو

---

(1) البدایہ والنھایہ (136/9)

(2) البدایہ والنھایہ (132/9)

بغاوت کی تھی اس کے متعلق جمہور یہ جواب دیتے ہیں کہ: حجاج کے خلاف بغاوت محض فسق و فجور کا نتیجہ نہیں تھا، بلکہ حجاج کی جانب سے شرعی اصولوں کی تبدیلی، اعلانیہ کفر کیا اور آزاد لوگوں کی بیعت تبدیل کی، خلیفہِ وقت کو۔نعوذ باللہ۔نبی سے زیادہ فوقیت دی، اس بارے میں اس کا مشہور مقولہ ہے۔''

آگے چل کر اُبّی کہتے ہیں:

''جس وقت حجاج عبد الملک بن مراون کی جانب سے عراق اور سارے مشرقی علاقے کا گورنر تھا تو اس کے خلاف ہونے والی بغاوت اس وجہ سے تھی کہ حجاج نے شرعی احکامات تبدیل کئے، اعلانیہ کفر کیا، خلیفہ کو حد سے زیادہ فوقیت دی۔ اس کے بعد اُبّی نے حجاج کے قابل گرفت اقوال ذکر کئے۔" [1]

چوتھی وجہ: جن اہل علم اور دیندار افراد سے بغاوت ثابت ہے ان کا مقارنہ اور موازنہ ان اہل علم سے کیا جائے گا جنہوں نے بغاوت کرنے سے روکا اور خبردار کیا، ان کا مقام و مرتبہ اسلام میں انتہائی بلند ہے؛ کیونکہ انہوں نے نبی ﷺ سے ثابت شدہ احادیث کو دلیل بنایا تھا، جیسے کہ ابن عباس، ابن عمر، ابن زبیر، ابو سعید خدری اور دیگر صحابہ کرام نے سیدنا حسین کو یزید کے خلاف نکلنے سے منع فرمایا تھا۔[2]

اسی طرح ابن عمر [3] اور نعمان بن بشیر نے بھی اہل مدینہ کو حرّہ [1] کے موقع پر یزید

---

(1) شرح مسلم از اُبّی (180/5)

(2) تاریخ طبری اور ابن کثیر وغیرہ نے اسے ذکر کیا ہے۔

(3) بخاری: (7111) میں ہے کہ نافع کہتے ہیں: جس وقت اہل مدینہ نے یزید بن معاویہ کی بیعت توڑ دی تو ابن عمر نے اپنے اہل خانہ اور قریبی لوگوں کو جمع کیا اور فرمایا: "میں نے نبی ﷺ سے سنا ہے کہ آپ ﷺ فرما رہے تھے: (قیامت کے دن ہر دغا باز کیلیے جھنڈا گاڑا جائے گا) اور ہم نے اس شخص کی اللہ اور اس کے رسول ﷺ کے نام پر بیعت کی ہے، اور مجھے نہیں معلوم کہ اس سے بڑی بھی کوئی دغا بازی ہو گی کہ ایک شخص کی اللہ اور اس کے رسول ﷺ کے نام پر بیعت کی جائے اور پھر اس کے خلاف ہتھیار اٹھائے جائیں، اور اگر تم میں سے کسی نے اس کی بیعت توڑی، اور یزید کی تابعداری نہ کی تو پھر اس کا یہ اقدام میرے ساتھ تعلق ختم ہونے کیلیے کافی ہو گا"

کے خلاف بغاوت کرنے سے روکا تھا، اسی طرح حسن بصری اور مجاہد وغیرہ نے لوگوں کو اشعث کے ساتھ مل کر حجاج کے خلاف بغاوت سے روکا تھا۔

ابن تیمیہ کہتے ہیں:

"بغاوت کے لیے لڑنے سے فاضل ترین مسلمان روکتے چلے آئے ہیں، جیسے کہ عبداللہ بن عمر ، سعید بن مسیب، علی بن حسین اور دیگر نامور اہل علم حرّہ کے واقعہ کے وقت یزید کے خلاف بغاوت سے روکتے رہے، اسی طرح حسن بصری اور مجاہد وغیرہ ابن اشعث کے ساتھ حجاج کے خلاف بغاوت کرنے پر منع کرتے رہے۔

لہٰذا اہل سنت کا یہ موقف آخر کار پختہ ہو گیا کہ نبی ﷺ سے صحیح اور ثابت شدہ احادیث کی بنا پر فتنوں میں ہتھیار اٹھانے سے گریز کرنا چاہیے، چنانچہ اہل سنت یہ بات اپنے عقائد کی کتابوں میں ذکر کرنے لگے اور حکمرانوں کے ظلم پر صبر کرنے کی تلقین کرنے لگے کہ ان کے خلاف مسلح مزاحمت نہ کی جائے، اگرچہ پھر بھی اہل علم اور دیندار لوگوں کی بڑی تعداد اس میں ملوّث رہی ہے۔"[2]

لہٰذا اگر کسی امتی کی بات یا عمل حجت ہے تو پھر جنہوں نے ظالم حکمرانوں کے خلاف بغاوت کرنے سے روکا اور اسے حرام قرار دیا ہے ان کی بات اور عمل حجت بننے کے زیادہ قابل ہیں؛ کیونکہ ان کی تعداد بھی زیادہ ہے اور ان کا علم بھی، بلکہ ان کے موقف کی تائید میں تو بیش بہا احادیث ہیں جن میں ظالم حکمرانوں کے خلاف بغاوت سے واضح طور پر منع کیا گیا ہے۔

❀❀❀❀

---

(1) دیکھیں: طبری، ابن کثیر اور ابن الاثیر وغیرہ نے اسے ذکر کیا ہے۔

(2) منہاج السنہ (529/4)

پانچواں مبحث

حکمرانوں کے خلاف بغاوت کی ممانعت تمام لوگوں کے لیے ہے چاہے کسی نے بیعت کی ہو یا نہ کی ہو

حکام کے خلاف بغاوت کرنے والے خارجیوں میں دو قسم کے لوگ شامل ہوتے ہیں:

پہلی قسم: جس نے حکمران کی بیعت کر کے بیعت توڑی اور اعلان بغاوت کیا۔

دوسری قسم: جس شخص پر بیعت کی پاسداری لازم ہوا گرچہ براہِ راست اس نے بیعت نہ کی ہو، لیکن پھر بھی وہ بغاوت پر اتر آئے، تو ان کی متعدد اقسام ہیں:

عوام الناس: اہل حل و عقد کے بیعت کرنے کی وجہ سے ان پر بھی بیعت کی پاسداری کرنا ضروری ہے۔

کیونکہ رسول اللہ ﷺ کا فرمان ہے: (تین چیزیں ایسی ہیں جن کے بارے میں مسلمان کا دل بالکل خالص ہوتا ہے: عمل صرف اللہ کے لیے کرتا ہے، مسلمان حکمرانوں کی خیر خواہی چاہتا ہے، اور ملت کا التزام رکھتا ہے، ملت کے التزام کی دعوت دیگر سب مسلمانوں کے لیے بھی ہے)[1]

ابن عبدالبر اس حدیث کی شرح میں کہتے ہیں:

"اس حدیث کے [عربی] الفاظ: "ثلاث لا يغل عليهن قلب مؤمن" کا مطلب یہ ہے کہ: مسلمان کے دل میں یہ بیماری کبھی پیدا نہیں ہوتی، دل میں نفاق نہیں آتا جب تک انسان صرف اللہ تعالی کے لیے عمل کرتا رہے، مسلمانوں

---

(1) ترمذی(2658)، ابن ماجہ(230) مسند احمد(225/3) اور دیگر محدثین نے اسے روایت کیا ہے، نیز یہ روایت متعدد صحابہ کرام سے بھی مروی ہے، اسے البانی نے صحیح ابن ماجہ(187) میں صحیح کہا ہے۔

کی جماعت کے ساتھ رہے اور حکمرانوں کی خیر خواہی کرے۔

اور اسی طرح اس حدیث کے [عربی] الفاظ: "فإن دعوتهم تحيط من وراءَهم" یا اسے یوں پڑھیں: " هي من ورائهم محيطة" تو اہل علم کے ہاں اس کا مطلب یہ ہے کہ: مسلمانوں کے کسی بھی خطے کے لوگ حکمران کے فوت ہو جانے پر اپنا ایک حکمران متفقہ طور پر چن لیتے ہیں اور اسے اپنا حاکم تصور کر لیتے ہیں تو اب جتنے بھی مسلمان اس خطے کے آس پاس رہتے ہیں سب کے لیے اسے اپنا حاکم تصور کرنا ضروری ہے، بشرطیکہ وہ فسق و فجور میں مشہور نہ ہو؛ کیونکہ اس صورت میں حاکم کی بیعت اور تابعداری کی دعوت قبول کرنا سب کے لیے لازمی ہے، کوئی بھی اس سے پیچھے نہیں ہٹ سکتا۔" (1)

اسی طرح امام نووی کہتے ہیں:

"بیعت کے درست ہونے کے لیے تمام علمائے کرام کا اتفاق ہے کہ ہر ایک کا بیعت کرنا شرط نہیں ہے، بلکہ تمام کے تمام اہل حل و عقد کا بھی بیعت کرنا شرط نہیں ہے، شرط صرف اتنی ہے کہ زیادہ سے زیادہ علمائے کرام، بااثر شخصیات اور بڑے لوگ بیعت کے لیے آسانی سے متحد ہو جائیں۔

اور حکمران کے بارے میں نکتہ چینی سے باز رہنے کے لیے یہ شرط نہیں ہے کہ ہر شخص نے اس حاکم کے پاس آ کر اپنا ہاتھ اس کے ہاتھ پر رکھ کر ہی بیعت کی ہو، بلکہ محض اہل حل و عقد ہی حکمران کی بیعت کر لیں اور اس کی اطاعت گزاری کا اعتراف کر لیں تو اب سب کے لیے حکمران کی اطاعت لازمی ہے، کوئی بھی اس اتفاق میں رخنے مت ڈالے اور اتحاد کو سبوتاژ نہ کرے" (2)

حافظ ابن حجر کہتے ہیں:

---

(1) التمہید (277/21)
(2) شرح مسلم حدیث نمبر: (1759)

"مازری کے مطابق: حکمران کی بیعت کے لیے اتنا ہی کافی ہے کہ اہل حل و عقد ان کی بیعت کر لیں، اس کے لیے تمام اہل حل و عقد کا بیعت کرنا ضروری نہیں ہے، اسی طرح ہر ایک فرد پر بھی ضروری نہیں ہے کہ حکمران کے ہاتھ میں ہاتھ رکھ کر بیعت کرے، بلکہ اتنا ہی کافی ہے کہ ان کی اطاعت کرے اور ان کے احکامات سے تصادم مت اپنائے اور اتحاد کو سبوتاژ نہ کرے" (1)

اہل حل و عقد سے مراد: علمائے کرام، معاشرے کی سر کردہ اور باا‌ثر شخصیات ہیں، جن کے بیعت کرنے سے بیعت کا ہدف یعنی علاقے پر کنٹرول اور تسلط حاصل ہو، نیز "حل و عقد" کا معنی معاملات کھولنے اور باندھنے کا ہے۔ (2)

ابن تیمیہ کہتے ہیں:

''رافضی یہ کہتا ہے کہ: رسول اللہ ﷺ کے بعد ابو بکر خلیفہ اس طرح بنے تھے کہ عمر نے بیعت کی اور چار افراد نے اس پر اظہار رضامندی کیا تھا۔''

تو اس کا جواب یہ ہے کہ: یہ اہل سنت کے ائمہ کا موقف ہی نہیں ہے، اگر کچھ متکلمین یہ بات کرتے ہیں کہ خلافت و حکمرانی چار افراد کے بیعت کرنے سے قائم ہو جاتی ہے، جبکہ کچھ متکلمین تو دو افراد کی بیعت پر بھی امارت قائم ہونے کے قائل ہیں، کسی نے ایک بھی کہا ہے تو یہ سب اہل سنت کا موقف نہیں ہے۔

اہل سنت کے ہاں خلافت و امارت اس وقت قائم ہوتی ہے جب اس پر باا‌ثر شخصیات اعتماد کا اظہار کر دیں، چنانچہ کوئی بھی اس وقت تک امیر نہیں بن سکتا جب تک ایسی باا‌ثر شخصیات اس پر اظہار اعتماد نہ کریں جن کے اعتماد سے حکمرانی کا اصل ہدف حاصل ہوتا ہے، اور حکمرانی کا اصل ہدف تسلط اور کنٹرول سے حاصل ہوتا ہے، لہٰذا اگر ایسے افراد کی جانب سے حکمران کی بیعت ہو جائے جن کی وجہ سے حکومتی امور اور نظام و انصرام ہاتھ میں آتے ہیں تو

---

(1) فتح الباری (565/7)

(2) کویتی فقہی موسوعہ، ناشر: وزارتِ اوقات کویت، مصطلح: اہل حل و عقد۔

پھر وہ شخص لوگوں کا حاکم بن جاتا ہے"[1]

اس بارے میں علمائے کرام کی گفتگو بہت زیادہ ہے جو کہ فقہ اور امور سلطنت چلانے کے احکامات بیان کرنے والی اور دیگر کتب میں پڑھی جا سکتی ہے۔

بیعت کئے بغیر جن لوگوں پر بیعت کی پاسداری لازمی ہوتی ہے ان میں وہ چند اہل حل و عقد بھی شامل ہیں جو جمہور اہل حل و عقد کے بیعت کرنے کے باوجود بھی بیعت نہ کریں، اس بارے میں گزر چکا ہے کہ امام نووی نے اہل علم کا اتفاق نقل کیا ہے، آپ کہتے ہیں:

" بیعت کے درست ہونے کے لیے تمام علمائے کرام کا اتفاق ہے کہ ہر ایک کا بیعت کرنا شرط نہیں ہے، بلکہ تمام کے تمام اہل حل و عقد کا بھی بیعت کرنا شرط نہیں ہے، شرط صرف اتنی ہے کہ زیادہ سے زیادہ علمائے کرام، بااثر شخصیات اور بڑے لوگ بیعت کے لیے آسانی سے متحد ہو جائیں۔"[2]

اُبّی کہتے ہیں:

"البغی: یہ ہے کہ امیر، یا اس کے نائب کے خلاف عملًا یا حکماً بغاوت کی جائے۔

عملی بغاوت: یہ ہے کہ ایسا شخص بغاوت کرے جس نے حقیقت میں پہلے بیعت کی ہو؛ کیونکہ یہ شخص بیعت کر کے اس کی اطاعت میں شامل ہوا پھر بغاوت کر کے مکر گیا۔

حکمی بغاوت: یہ ہے کہ ایسا شخص بغاوت کرے جس پر بیعت کی پاسداری بالواسطہ لازم ہوتی ہو، چاہے اس نے براہِ راست بیعت نہ بھی کی ہو؛ کیونکہ کسی کو امیر تسلیم کرنے کے لیے ہم یہ شرط نہیں لگاتے کہ ہر کوئی عملًا ان کی بیعت کرے، بلکہ اگر کچھ لوگ بھی بیعت کر لیں تو تب بھی وہ شخص امیر تصور ہو گا۔"[3]

---

(1) منہاج السنہ (526/1)

(2) شرح مسلم، حدیث نمبر (1759) کی شرح کے تحت۔

(3) شرح مسلم از اُبّی (195/3)

چھٹا مبحث

علمائے کرام اور حکمرانوں کے خلاف زبان درازی خروج کی بنیاد ہے

خروج کی بنیاد جس اساس پر قائم ہے اور جس کی بنا پر مختلف فتنے جنم لیتے ہیں وہ یہ ہے کہ: علمائے کرام اور حکمرانوں کے خلاف زبان درازی کی جائے، ان پر اعتبار نہ کیا جائے، چنانچہ عثمان کے زمانے میں خروج اور بغاوت اسی طرح شروع ہوئی تھی کہ سیدنا عثمان پر زبان درازی شروع کی گئی، حالانکہ آپ اس وقت امت مسلمہ کے سب سے افضل ترین فرد تھے، باغیوں اور خارجیوں نے اس وقت علی اور ابن عمر وغیرہ جلیل القدر صحابہ کرام کے فہم کو بھی پیش نظر نہیں رکھا، بلکہ جن پر اس وقت موجود صحابہ کرام، تابعین، قائدین اور اہل علم کے فیصلوں پر بھی اعتماد نہیں کیا، یہاں تک کہ انہوں نے آپ کو شہید کر دیا۔

خارجی زبان درازی کرتے ہوئے حقیقت میں وراثت میں ملنے والی بری سوچ پر گامزن ہوتے ہیں؛ کیونکہ یہ ذوالخویصرہ کی نسل میں سے ہیں اور اس نے نبی ﷺ کے طریقہ تقسیم پر انگلی اٹھائی اور آپ ﷺ پر ظلم کا الزام لگایا تھا۔

پھر علمائے کرام اور حکمرانوں کے خلاف زبان درازی سیدنا علی کے عہد میں مزید بڑھ گئی، چنانچہ انہوں نے صحابہ کرام اور سیدنا علی پر کفر کا حکم لگایا اور ثالثی کے عمل کی وجہ سے انہیں دائرہ اسلام سے ہی خارج قرار دے دیا، مزید برآں انہیں اپنے موقف کے حق ہونے کا گھمنڈ بھی تھا، وہ کتاب اللہ کا جو مفہوم سمجھتے تھے اسی کو حق جانتے تھے، یہاں تک کہ معاملہ سیدنا علی کے خلاف ہتھیار اٹھانے تک جا پہنچا، یہ علی کو بھی کافر اور مرتد قرار دیتے تھے، آخر کار سیدنا علی نے جنگ نہروان میں ان کا خاتمہ کر دیا۔

البتہ ان کے نظریات پھر بھی باقی رہے، اور علی کو قتل کرنے کی سازشیں جاری رکھیں اور اپنے اسے مذموم ہدف کو پانے کامیاب ہو گئے، اور ۔نعوذ باللہ۔انہوں نے آپ کے قتل کو اللہ کی عبادت قرار دیا۔

سید نا ابن عباس اس مسئلے کی نزاکت کو بھانپ چکے تھے، انہیں اس بات کا ادراک ہو چکا تھا کہ خارجی فتنے کی اصل گرہ یہ ہے کہ خارجی علمائے کرام کے فہم پر اعتماد نہیں کرتے، حالانکہ اس وقت علمائے کرام صحابہ کی شکل میں تھے، چنانچہ سید نا ابن عباس نے ان سے بات چیت اور مناظرے کے دوران کہا تھا:

> "میں تمہارے پاس نبی ﷺ کے مہاجرین وانصار صحابہ کرام کی جانب سے آیا ہوں، میں آپ ﷺ کے چچازاد اور آپ ﷺ کے داماد کی طرف آیا ہوں، اور چونکہ جب قرآن مجید نازل ہوتا تھا تو وہ آپ ﷺ کے ساتھ ہوتے تھے اس لیے ان کے پاس قرآن مجید کا علم تم سے زیادہ ہے، یہی وجہ ہے کہ تمہارے موقف پر صحابہ کرام میں سے کوئی بھی نہیں ہے "[(1)]

تو ابن عباس نے انہیں راہِ ہدایت پر لانے کے لیے گمراہی کی اصل بنیاد بتلائی، یہ بھی کہا کہ جن کی مخالفت تم کر رہے ہو وہ تم سے زیادہ اللہ سے ڈرنے والے ہیں اور ان کا علم تم سے کہیں زیادہ ہے، پھر آپ نے اس بات پر بھی زور دیا کہ انہی کے فہم پر چلنا لازمی اور ضروری ہے۔

چونکہ خارجی فکر اسلام میں رونما ہونے والی سب سے پہلے منحرف فکر ہے، اور اس کی بنیاد اہل علم کے خلاف زبان درازی اور ان کے فہم کو معیار نہ بنانے پر تھی تو بعد میں رونما ہونے والی جتنی بھی بدعات تھیں سب میں یہی چیز مشترکہ طور پر پائی گئی، اس کے لیے آپ رافضیت کو دیکھ لیں یا اعتزال یا کسی بھی منحرف فکر کو پرکھ لیں، یہی اس کی بنیاد ہو گی۔

---

(1) حاکم نے اسے مستدرک (150/2) میں اور بیہقی نے سنن کبری (309/8) میں روایت کیا ہے۔

شیخ الاسلام ابن تیمیہ خارجیوں کی صفات ذکر کرتے ہوئے کہتے ہیں:

"ان کی گمراہی کی بنیاد ائمہ کرام اور مسلمانوں کے بارے میں اس نظریہ پر تھی کہ تمام مسلمان عدل سے دور اور گمراہ ہیں، یہی بنیاد رافضیوں اور دیگر اہل سنت کے مخالفین کے نظریات کی ہوتی ہے، خارجی جس چیز کو ظلم سمجھتے ہیں وہ ان کے ہاں کفر ہوتا ہے، پھر کفر پر خود ساختہ احکام لاگو کرتے ہیں، تو رافضیوں اور خارجیوں کے مسلمانوں پر حکم لگانے کے یہ تین مراحل ہیں"(1)

جب یہ بات واضح ہوگئی تو اب یہ بھی ذہن نشین کرلیں کہ جن علمائے کرام کے فہم کو معتبر سمجھنے کے لیے امت متفق ہو، روئے زمین پر اللہ تعالی ان کی مقبولیت پھیلادے، ان کے اساتذہ کرام بھی قدر کی نگاہ سے دیکھے جاتے ہوں، پھر علمائے کرام نے بھی ان کے بارے میں تزکیہ دے رکھا ہو کہ وہ فتوی دینے کے اہل ہیں، تو ایسے اہل علم کی بات کو لازمی پکڑنا، شرعی اور عقلی ہر دو اعتبار سے ضروری ہے، جبکہ جدید اور حساس مسائل میں ان کے فہم کو پیش نظر رکھنا ضروری ہے۔

فرمانِ باری تعالی ہے:

﴿فَسْـَٔلُوْٓا اَهْلَ الذِّكْرِ اِنْ كُنْتُمْ لَا تَعْلَمُوْنَ﴾ [النحل:43]

''اگر تمہیں علم نہ ہو تو جاننے والوں سے پوچھ لو۔''

اسی طرح فرمایا:

﴿وَ اِذَا جَآءَهُمْ اَمْرٌ مِّنَ الْاَمْنِ اَوِ الْخَوْفِ اَذَاعُوْا بِهٖ ؕ وَ لَوْ رَدُّوْهُ اِلَى الرَّسُوْلِ وَ اِلٰۤى اُولِي الْاَمْرِ مِنْهُمْ لَعَلِمَهُ الَّذِيْنَ يَسْتَنْۢبِطُوْنَهٗ مِنْهُمْ ؕ﴾ [النساء:83]

''اور جب کوئی امن کی یا خطرے کی خبر ان تک پہنچتی ہے تو اسے فوراً اڑا دیتے ہیں اور اگر وہ اسے رسول یا اپنے کسی ذمہ دار حاکم تک پہنچاتے تو وہ ایسے لوگوں

(1) مجموع الفتاوی (497/28)

کے علم میں آ جاتی جو اس سے صحیح نتیجہ اخذ کر سکتے ہیں۔"

سعدی اس آیت کی تفسیر میں کہتے ہیں:

"یہاں ایک تربیتی اصول بیان کیا گیا ہے کہ جس وقت کسی معاملے میں بحث و تکرار ہو جائے تو پھر فیصلے کے لیے اس شخص سے رجوع کریں جو معاملہ فہمی مکمل دسترس رکھتا ہو اور اس میں متخصص ہو، پھر اس کی بات کو رد نہ کیا جائے؛ کیونکہ اس کی رائے صحیح موقف کے زیادہ قریب ہو گی اور اس میں غلطی کا امکان کم سے کم ہو گا"(1)

لہٰذا علمائے کرام کی آرا پر نکتہ چینی اور ان کے بارے میں زبان درازی سے ہر ممکن اجتناب کریں، ان کے فہم کو یکسر مسترد مت کریں، انہیں زمینی حقائق سے نابلد ہونے یا درباری ملا ہونے کا طعنہ مت دیں، انہیں یہ مت کہیں کہ علماء کا تیر و تفنگ اور سیاست سے کیا تعلق، یا اسی طرح کی اور بھی بہت سی باتیں اہل علم کے بارے میں کہی جا رہی ہیں بلکہ زمانے سے کہی جاتی رہی ہیں۔

چنانچہ البانی کہتے ہیں:

"حکمران کے خلاف بغاوت میں بہت زیادہ خرابیاں ہیں اس پر شرعی نصوص کی بھرمار ہے نیز نو عمر چھوکروں کے کرتوتوں سے رونما ہونے والے تاریخی واقعات بھی اس کے شاہد عدل ہیں۔ لیکن اس سے بھی بری بات یہ ہے کہ علمائے کرام کے خلاف جنگ کرتے ہوئے ان کے حقوق پامال کئے جائیں، ان کے صرف وہی فتوے مانیں جائیں جو متشدد تحریکوں کے مطابق ہوں، سیاست میں علمائے کرام کا کردار مسخ کیا جائے، انہیں "وضو اور طہارت کے مسائل جاننے والے عالم" کہہ کر طعنہ دیا جائے، بدعتی لوگ نسل در نسل علمائے کرام

---

(1) تفسیر سعدی

کو اس قسم کے طعنے دیتے آئے ہیں، حاملین کتاب و سنت اہل علم پر زبان درازی حقیقت میں یہ شریعت پر حملہ ہے، ان کا فیصلہ اللہ تعالی کے پاس ہو گا۔ "[1]

علمائے راسخین کے بارے میں "حیض و نفاس کے علماء" کے القابات تھوپنے کا عمل کوئی نیا نہیں ہے، بلکہ یہ بدعتی اور منحرف فرقوں کی پرانی عادت ہے۔

جیسے کہ امام شاطبیؒ کہتے ہیں:

"اسماعیل بن علیہ سے منقول ہے کہ وہ کہتے ہیں مجھے یسع نے بتلایا کہ: واصل بن عطا معتزلی ایک دن بات کر رہا تھا، تو عمر بن عبید واصل کی تعریف میں کہنے لگا: یہ ہے گفتگو! کبھی سنی ہے ایسی باتیں؟ جبکہ حسن بصری اور ابن سیرین کی باتیں تو حیض کے چیتھڑے کے متعلق ہی ہوتی ہیں!!

اسی طرح ایک بدعتی شخص نے علم کلام کو شرعی علوم کی معرفت پر فوقیت دیتے ہوئے کہا کہ: شافعی اور ابو حنیفہ کے علم کا خلاصہ یہ ہے کہ وہ عورت کی شلوار سے باہر ہی نہیں نکلتا!!

یہ ان گمراہوں کی باتیں ہیں اللہ انہیں تباہ و برباد فرمائے "[2]

تو اس ساری گفتگو سے معلوم ہوتا ہے کہ کوئی بھی بدعت اسی بنیاد پر کھڑی ہوتی ہے اور پھر آہستہ آہستہ اتنی تن آور بن جاتی ہے کہ امت مسلمہ کے خلاف اسلحہ اٹھا لیتی ہے، اور تمام بدعات کا انجام کار یہی ہوتا ہے۔

جیسے کہ ابو قلابہ کہتے ہیں:

"کوئی بھی قوم بدعت ایجاد کرے تو قتل و غارت ضرور کرتی ہے "[3]

---

(1) مدارک السیاسہ الشرعیہ از شیخ عبد المالک جزائری (204)، انہوں نے شیخ البانی کی یہ بات آڈیو کیسٹ سے نقل کی ہے۔

(2) الاعتصام (742)

(3) اس اثر کو عبد الرزاق نے مصنف (151/10) میں ذکر کیا ہے اور اسی طرح امام لالکائی نے شرح اصول اعتقاد (134/1) میں اور دیگر اہل علم نے اسے روایت کیا ہے۔

لہٰذا اگر کوئی بھی شخص علمائے کرام کے بارے میں گفتگو کرتا ہوا نظر آئے اور اپنے آپ کو مفتی سمجھے، یا کسی ایرے غیرے کو اس منصب پر بٹھائے، تو سمجھ لیں کہ وہ خارجیوں کے راستے پر گامزن ہے، وہ بدعتی اور فتنہ پرور ہے، ان سے بچیں، اللہ تعالی ہم سب کو ایسے لوگوں سے محفوظ رکھے۔

❀❀❀❀

ساتواں مبحث

حکمران کے خلاف بغاوت کے لیے تین شرائط ضروری ہیں

ہم یہ بات پہلے واضح کر چکے ہیں کہ حکمران کے خلاف محض ظلم اور فسق وفجور کی بناپر بغاوت کرنا جائز نہیں ہے، اور یہ بات بھی واضح رہے کہ مسلمان حاکم کے خلاف بغاوت کے لیے تین شرائط کا پایا جانا ضروری ہے جو کہ فعل، فاعل اور حالات سے متعلق ہیں، ان کی تفصیل درج ذیل ہے:

اول: فعل کے لیے شرط:

حکمران سے ایسا صریح کفر صادر ہو جسے اللہ تعالی نے کفر قرار دیا ہو نیز اس کے کفر ہونے اور اس کے مرتکب کے کافر ہونے میں اختلاف نہ ہو، مثلاً: -نعوذ باللہ—اللہ تعالی یا رسول اللہ ﷺ کی گستاخی کرنا، یا دینِ اسلام کے علاوہ کوئی اور دین اپنانا، شریعتِ الٰہی کو ظلم قرار دینا، یا یہ کہنا کہ اسلام عصرِ حاضر کے لیے موزوں دین نہیں ہے، یا اسی طرح کی کوئی اور واضح کفر والی بات کرے۔

آپ ﷺ نے حاکم کے خلاف بغاوت کے جواز کے لیے شرائط بیان کرتے ہوئے فرمایا: (الا کہ تم واضح کفر دیکھو، تمہارے پاس اس بارے میں اللہ تعالی کی جانب سے دلیل بھی ہو)، اس حدیث کی تخریج اور شرح پہلے گزر چکی ہے۔

اس بناپر کسی حاکم کے خلاف ایسے کفریہ عمل کی بناپر بغاوت نہیں کی جاسکتی جس عمل کے کفر ہونے میں اختلاف ہو، مثلاً: زکاۃ کی ادائیگی نہ کرنے پر کفر کا حکم لگانا، یا وضعی قوانین کو قرآن وسنت سے کم تر جانتے ہوئے مجبوری سمجھ کر اپنانا یا اسی طرح کے دیگر مسائل جن کے کفر ہونے میں اختلاف ہے۔

دوم: فاعل کے لیے شرط:

کفریہ کام کرتے ہوئے حکمران کوئی تاویل، مجبوری یا شبہ کا شکار نہ ہو، جس کی وجہ سے حکمران پر وعید والی نصوص لاگو نہ ہو، اس بارے میں فرمانِ باری تعالی ہے:

﴿وَمَا كُنَّا مُعَذِّبِيْنَ حَتّٰى نَبْعَثَ رَسُوْلًا ۝﴾ [الإسراء:15]

"اور ہم کسی کو اس وقت تک عذاب نہیں دیتے جب تک [ان کی جانب] رسول نہ بھیج دیں۔"

ابن تیمیہ کہتے ہیں:

"تکفیر کا تعلق بھی وعید سے ہے، کفریہ فعل اگر رسول اللہ ﷺ کی بات کو جھٹلانے سے تعلق رکھے، تو ایسا ممکن ہے کہ یہ شخص نو مسلم ہو، یا اس کی پرورش علم و عرفان سے دور کسی دیہات میں ہوئی ہو، تو ایسی صورت میں اس شخص پر کفر کا حکم اس وقت نہیں لگے گا جب تک اس پر حجت قائم نہیں ہو جاتی؛ کیونکہ ایسا ممکن ہے کہ اس نے اس بارے میں قرآن و سنت کے احکام نہ سنے ہوں، یا سنے تو ہوں لیکن اس کے ہاں پایہ ثبوت تک نہ پہنچے ہوں، یا اس کے ذہن میں کوئی تعارض پیدا ہو گیا ہو جس کی وجہ سے اس نے ان نصوص کی تاویل کر دی چاہے ان تمام امور میں وہ غلطی پر بھی ہو پھر بھی اس پر کفر کا حکم نہیں لگے گا۔

میں اسی لیے ہر وقت بخاری و مسلم کی اس حدیث کو ذہن میں رکھتا ہوں جس میں ایک شخص نے کہا تھا: "میں جب مر جاؤں تو مجھے جلا دینا، میری راکھ بنا کر مجھے پانی میں بہا دینا؛ کیونکہ اگر اللہ تعالی نے مجھے پکڑ لیا تو وہ مجھے ایسا عذاب دے گا کہ جہانوں میں کسی کو اتنا سخت عذاب نہیں دیا ہو گا" اس کی وصیت کے مطابق عمل کیا گیا، اللہ تعالی نے اس سے پوچھا: تم نے ایسا کیوں کیا؟ اس شخص نے جواب دیا: اللہ تیرے ڈر کی وجہ سے کیا، تو اللہ تعالی اسے بخش دے گا۔

اس حدیث کے مطابق اس شخص نے اللہ تعالی کی قدرت پر شک کیا کہ اگر اسے راکھ بنادیا گیا تو اللہ تعالی اسے دوبارہ زندہ نہیں کر پائے گا، حالانکہ تمام مسلمانوں کے مطابق یہ کفر ہے، لیکن چونکہ وہ شخص جاہل تھا، اسے علم نہیں تھا اور ساتھ میں اللہ کی پکڑ کا ڈر بھی تھا تو اس ڈر کی وجہ سے اسے معاف کر دیا گیا، اس لیے ایسے مجتہدین جو کہ رسول اللہ ﷺ کی اتباع کے لیے سر توڑ کوشش کرتے ہیں اور اسی اتباع کے لیے کچھ نصوص کی تاویل بھی کر جاتے ہیں، ان مجتہدین کا معافی پر اس شخص سے زیادہ حق بنتا ہے"[1]

یہ اہل سنت والجماعت کا وعید سے متعلق اصول ہے، اہل سنت کا یہ موقف دیگر خوارج جیسے وعیدی، بدعتی گروہوں کے موقف سے الگ ہے۔

یہ بات بھی یقینی ہے کہ حاکم ایسے شبہات اور تاویلات میں پڑ سکتا ہے جو دیگر لوگوں کے سامنے پیش نہ آئیں؛ کیونکہ ممکن ہے کہ حاکم کے حاشیہ نشین علمائے سوء ہوں، حاکم کے آس پاس کے لوگ باطل امور کو اچھا بنا کر دکھائیں، غلط چیز کے جائز ہونے کی تاویل پیش کریں، اور حاکم ان پر اعتماد کرتے ہوئے ان کے پیچھے لگ جائے، ایسے واقعات صرف ہمارے دور میں ہی نہیں بلکہ ہر دور میں ہوتے رہے ہیں، اللہ تعالی ہی ہمارا حامی وناصر ہے۔

بسا اوقات حکمران کو عوام کے مقابلے میں شرعی علوم سے زیادہ واقفیت نہیں ہوتی؛ کیونکہ حکمران ملکی امور میں مصروف ہوتا ہے اور عام طور پر خیر خواہ لوگ بھی ان کے آس پاس نہیں ہوتے خصوصاً آج کل کے زمانے میں۔

تو اس لیے کسی عامی شخص پر کفر کا حکم لگانے کے لیے جتنی چھان بین کی ضرورت ہوتی ہے حکمران پر کفر کا حکم لگانے کے لیے اس سے کہیں زیادہ چھان بین کی ضرورت ہوتی ہے۔

---

(1) مجموع الفتاوی (231/3)

سوم: پہلی دو شرطیں پوری ہونے کے بعد حالات کے متعلق شرط دو امور پر مشتمل ہے:

موجودہ حاکم کو ہٹانے کی صلاحیت ہو، اس کے لیے شرعی بنیادی اصول دلیل ہے کہ شرعی احکام پر عمل استطاعت کی صورت میں ہوتا ہے، فرمانِ باری تعالیٰ ہے:

﴿لَا يُكَلِّفُ اللّٰهُ نَفْسًا اِلَّا وُسْعَهَا﴾ [البقرة:286]

"اللہ تعالیٰ کسی جان کو اس کی استطاعت سے بڑھ کر مکلف نہیں بناتا۔"

اور رسول اللہ ﷺ کا فرمان ہے:

"جب میں تمہیں کسی کام کا حکم دوں تو اس پر اپنی استطاعت کے مطابق عمل کرو۔"[1]

حکمران کو ہٹانے پر پہلے سے زیادہ حالات خراب نہ ہوں؛ کیونکہ کسی برائی کے خاتمے کے لیے یہ بھی شرط ہے کہ اس برائی کے خاتمے پر اس سے بھی بڑی خرابی رونما نہ ہو، یہ امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کا بہت ہی اہم اصول ہے، اس اصول کے دلائل بھی بہت ہیں، مثلاً:

فرمانِ باری تعالیٰ ہے:

﴿وَلَا تَسُبُّوا الَّذِيْنَ يَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ فَيَسُبُّوا اللّٰهَ عَدْوًا بِغَيْرِ عِلْمٍ﴾

[الأنعام:108]

"غیر اللہ کو پکارنے والوں کو گالی مت دو مبادا وہ زیادتی کرتے ہوئے جہالت کی بنا پر اللہ کو گالی دیں۔"

اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے معبودانِ باطلہ کی پوجا کرنے والے لوگوں کو برا بھلا کہنے سے روکا ہے کہ اس پر اس سے بھی بڑی خرابی پیدا ہوتی ہے کہ وہ۔ نعوذ باللہ۔ اللہ تعالیٰ کو بدزبانی کا

(1) اس کی تخریج صفحہ (52) پر دیکھیں

نشانہ بنائیں گے۔

یہ بھی ایک بنیادی اصول ہے کہ اگر کسی برائی کو روکنے کی وجہ سے مسلمانوں کا نقصان ہو تو اس برائی کو روکنے کے لیے مسلمانوں کی اجازت ضروری ہے، لہٰذا اگر مسلمان اس کی اجازت نہ دیں اور اسے پسند نہ کریں تو پھر ایسی صورت میں برائی کو روکنا درحقیقت مسلمانوں کو تکلیف دینے اور ان پر زیادتی کے مترادف ہو گا۔

چنانچہ شیخ عبد العزیز بن باز کہتے ہیں:

"عبادہ بن صامت کہتے ہیں کہ: "ہم نے رسول اللہ ﷺ کے ہاتھ پر بیعت کی کہ ہم خوش ہوں یا ناراض، آسانی ہو یا تنگی، یا ہم پر کسی اور کو ترجیح بھی دی جا رہی ہو تب بھی ہم آپ کی بات سنیں گے اور اطاعت کریں گے، نیز حکمرانوں سے قیادت چھیننے کی کوشش بھی نہیں کریں گے، الا کہ ہم بالکل واضح طور پر کفر اکبر دیکھ لیں، جس کے بارے میں ہمارے پاس اللہ تعالیٰ کی جانب سے دلیل ہو"[1]

یہاں سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ حکمرانوں سے قیادت چھیننے کی کوشش یا ان کے خلاف بغاوت اس وقت تک جائز نہیں ہے جب تک واضح کفر نہ دیکھ لیں جس کے بارے میں اللہ تعالیٰ کی طرف سے واضح دلیل ہو، اس کی وجہ یہ ہے کہ حکمرانوں کے خلاف بغاوت کرنے سے سنگین قسم کے نقصانات ہوتے ہیں، امن و امان ختم ہو جاتا ہے، حقوق پامال ہوتے ہیں، بغاوت میں ظالموں کو روکنا ممکن نہیں رہتا ہے اور نہ ہی مظلوم کی مدد ہو سکتی ہے، راستے پر امن نہیں رہتے، حکمرانوں کے خلاف بغاوت کرنے سے عظیم فساد اور شر بپا ہوتا ہے، البتہ اگر مسلمانوں کو حکمران میں صریح کفر نظر آئے جس کے بارے میں ان کے پاس اللہ تعالیٰ کی طرف سے دلیل ہو تو پھر ایسے حکمران کے خلاف بغاوت اس وقت جائز ہے جب ان کے پاس حکمران کو ہٹانے کی طاقت ہو، لیکن اگر قوت نہ ہو تو پھر بغاوت جائز نہیں ہے، یا پھر قوت تو ہو

(1) یہ مکمل حدیث صفحہ نمبر: (22) پر دیکھیں۔

لیکن بغاوت کی بنا پر نقصانات پہلے سے بھی زیادہ ہوں تو مفادِ عامہ کو مد نظر رکھتے ہوئے بغاوت کرنا جائز نہیں ہے۔

یہ ایک شرعی قاعدہ ہے جس پر تمام کا اجماع ہے کہ: کسی چھوٹی برائی کا خاتمہ بڑی برائی سے کرنا جائز نہیں ہے، بلکہ برائی کو جڑ سے اکھاڑنا یا اس کے اثرات کم سے کم کرنا واجب ہے۔

اس لیے کسی چھوٹے شر کو بڑے شر سے ختم کرنا تمام مسلمانوں کے اجماع کے مطابق جائز نہیں ہے، چنانچہ اگر کفر کرنے والے حکمران کو ہٹانے کی کوشش کرنے والا گروہ اتنی طاقت کا حامل ہے کہ حکمران کو ہٹا کر دوسرا اچھا حاکم لا سکتا ہے، نیز اس پورے عمل کے دوران مسلمانوں کو کوئی نقصان اور گزند نہیں پہنچتا تو اس میں کوئی حرج نہیں ہے، لیکن اگر بغاوت کرنے سے بہت زیادہ نقصان ہوگا، امن برباد ہو جائے گا، لوگوں پر ظلم ہوگا، معصوم لوگوں کا خون رائیگاں ہوگا تو پھر یہ جائز نہیں ہے، بلکہ اچھے کاموں میں حاکم وقت کی اطاعت اور صبر سے کام لینا واجب ہے، حاکم وقت کی خیر خواہی کریں، ان کے لیے بھلائی کی دعائیں کریں، برائیوں کے خاتمے یا ان میں کمی لانے کے لیے بھرپور کوشش کریں اور مثبت سرگرمیاں عمل میں لائیں۔

اسی طریقے اور سلیقے کو اپنانا واجب ہے؛ کیونکہ اس سے مسلمانوں کے مفادِ عامہ محفوظ رہیں گے، نیز اس طریقے میں منفی امور کم ہیں جبکہ مثبت امور زیادہ ہیں، نیز اس طرح مسلمانوں کو بڑے نقصان اور خسارے سے تحفظ حاصل ہوگا"[1]

اسی طرح شیخ ابن عثیمین کافر حکمران کے خلاف بغاوت کے متعلق گفتگو کرتے ہوئے کہتے ہیں:

"اگر ہمارے پاس حکمران کو ہٹانے کو طاقت ہو اس وقت ہم بغاوت کریں گے اور اگر طاقت نہیں ہے تو ہمیں بغاوت کرنے کی کوئی ضرورت نہیں؛ کیونکہ

---

(1) مجموع فتاوی ابن باز(203/8)

تمام کے تمام شرعی احکامات قدرت، طاقت اور استطاعت کے ساتھ منسلک ہیں۔

پھر اگر ہم بغاوت کر دیں تو بغاوت کرنے پر پہلے سے بھی زیادہ نقصانات اور فساد پھیل سکتا ہے، کیونکہ اگر بغاوت کے بعد بھی تسلط حکمران کے پاس ہی رہتا ہے تو ہمیں پہلے سے زیادہ ذلت برداشت کرنی پڑے گی اور حکمران پہلے سے بڑا سر پھرا اور کافر بن جائے گا۔

تو ان مسائل کے لیے خوب سوچ و بچار کی ضرورت ہوتی ہے، شرعی احکام کو عقل سے جوڑیں، ان امور میں جذبات سے کام مت لیں، کسی بھی کام کے لیے ابھارنے پر ہمیں جذبات کی ضرورت ہوتی ہے، اسی طرح عقل و شریعت کی بھی ضرورت ہوتی ہے کہ کہیں ہمیں یہ جذبات تباہی تک نہ پہنچادیں"[1]

اس مسئلے کے متعلق اہل علم کی سیر حاصل گفتگو موجود ہے۔

یہاں پر یہ بات بھی سمجھنا ضروری ہے کہ برائی کے خاتمے کے لیے عام طور پر یہ سمجھ لیا جاتا ہے کہ برائی سے روکنے پر موجودہ خرابیوں سے زیادہ خرابیاں پیدا نہیں ہوں گی، لیکن حقیقت ایسے نہیں ہے چنانچہ محض سمجھنا ہی کافی نہیں بلکہ یقین ہونا ضروری امر ہے؛ اس کی وجہ یہ ہے کہ برائی سے روکنے والا اگر نتائج سے نابلد ہو تو معاملات مزید بگڑ جاتے ہیں؛ چنانچہ پہلے سے زیادہ خرابیاں رونما ہوتی ہیں، خصوصی طور اگر برائی کا تعلق حکمران کی ذات سے ہو اور برائی ختم کرنے کا انداز بغاوت اپنایا جائے تو اس سے معصوم جانیں ضائع ہوتی ہیں، خون خرابہ ہوتا ہے اور انتشار پھیلتا ہے۔

اسی طرح اس بات کا خیال رکھنا بھی ضروری ہے کہ پہلے جتنی بھی خروج اور بغاوت کی تحریکیں چلیں تھی حتی کہ وہ تحریکیں بھی جن کی وجہ حکمران کا ثابت شدہ یقینی کفر بھی تھا ان

---

(1) لقاء الباب المفتوح: 51 سوال نمبر: (1222)

سے بھی محض شر وفساد ہی پیدا ہوا،اس کی وضاحت اور تفصیلات دوسرے باب میں آئیں گی، حالانکہ اس وقت کے خارجیوں کے پاس بھی وہی اسلحہ ہوتا تھا جو حاکم کے پاس ہوتا ہے؛ کیونکہ اس وقت اسلحہ تلوار، نیزہ اور تیر سے زیادہ نہیں ہوتا تھا،اسی طرح جنگ کے لیے سواری بھی گھوڑے،اونٹ یا خچر ہوا کرتے تھے۔

لیکن اس وقت صورت حال بالکل مختلف ہے،اسلحے کہ نوعیت اور مقدار مختلف ہے، اسلحے میں اس وقت جنگی جہاز، میزائل، ٹینک اور دیگر جدید جنگی آلات ہیں، یہ چیزیں صرف حکومتوں اور ملکی قیادت کے پاس ہی ہوتے ہیں، باغی انہیں اپنی ملکیت میں رکھ ہی نہیں سکتے، اس سے یہ بات مزید پختہ ہو جاتی ہے کہ بغاوت عصرِ حاضر میں کامیاب ہو ہی نہیں سکتی،اور زمینی حقائق بھی اس کی تائید کرتے ہیں جیسے کہ اس کتاب کے دوسرے باب میں ذکر ہو گا۔

اس میں یہ بات بھی شامل کریں کہ آج کل استعمال ہونے والے اسلحے کی تباہی اور اثرات ماضی میں استعمال ہونے والے اسلحے اور تباہی سے یکسر مختلف ہے، لہٰذا آج کل بغاوت کی جتنی بھی تحریکیں ہیں ان سے پر امن رہنے والے مسلمانوں کا نقصان بہت زیادہ ہوتا ہے، واللہ المستعان۔

شیخ ابن عثیمین کافر حکمران کے خلاف بغاوت کے متعلق گفتگو کرتے ہوئے کہتے ہیں:

"اگر ہم حکمران کے خلاف بغاوت کر دیں تو اس کا کیا فائدہ ہو گا؟ ہم بغاوت کریں گے باورچی خانے سے چھری اٹھا کر اور حکمران کے پاس ٹینکوں اور رش فائر گنوں کا ذخیرہ ہے! کوئی فائدہ نہیں ہو گا، بلکہ اس کا مطلب یہ ہو گا کہ ہم بغاوت اپنے آپ کو قتل کروانے کے لیے کرتے ہیں"[1]

❀❀❀❀

(1) شرح ریاض الصالحین(515/4)

پانچویں فصل:

خوارج کے شبہات کے متعلق اہم مباحث

پہلا مبحث

دو باتوں میں کمزور فرق: الحکم بغیر ما انزل اللہ کے تحت چند مسائل کا فیصلہ وضعی قوانین کے تحت کیا جائے یا مکمل قانون ہی شریعت سے ہٹ کر بنایا جائے

کوئی حاکم بغیر ما انزل اللہ کے تحت ایک دو معاملے میں فیصلہ کر دے لیکن حکمران کا بنیادی قانون شریعت ہی ہو تو پھر ایسی صورت یہ عمل معصیت کے زمرے میں آئے، لیکن اگر پورا قانون ہی شریعت سے ہٹ کر بنایا گیا ہو تو پھر اس پر کفر اکبر کا حکم لگے گا اور ان دونوں صورتوں میں فرق کرنا حقیقت میں نا قابل اعتماد تفریق ہے؛ یہ تفریق اہل سنت کے گناہگاروں سے متعلق اصول سے متصادم ہے، وہ اصول یہ ہے کہ: گناہوں کا ارتکاب اسی وقت کفر تک پہنچاتا ہے جب انسان گناہوں کو جائز سمجھنے لگے۔

کیونکہ ان دو لوگوں میں کیا فرق ہو گا جن میں سے ایک شخص چند ایک معاملوں میں بغیر ما انزل اللہ کے فیصلہ کرے اور دوسرا شخص ہمیشہ ہی بغیر ما انزل اللہ کے مطابق فیصلے کرے لیکن دونوں ہی اسے جائز نہ سمجھیں بلکہ کتاب و سنت کی بالا دستی ہی ان کے ایمان کا حصہ ہو؟

اسی طرح اگر دو آدمیوں کو تصور میں لائیں ان میں سے ایک کا قانون شرعی ہے اور دوسرے کا قانون غیر شرعی ہے، لیکن پہلے شخص کے پاس جب بھی کوئی فیصلہ آتا ہے تو اس میں بغیر ما انزل اللہ کے فیصلے کرتا ہے، جبکہ دوسرا شخص اپنے غیر شرعی قانون کے

مطابق فیصلے کرتا ہے تو کیا ان دونوں میں کوئی فرق ہو گا؟

کیا دونوں میں فرق کے لیے یہ کہہ سکتے ہیں کہ پہلے شخص نے قانون کو شرعی تو بنایا ہے لیکن اس کو لاگو نہیں کیا، تو اب اس کے اس عمل سے حکم میں کوئی فرق آئے گا؟

اگر اس کے جواب میں کوئی کہنے والا کہے: دونوں ہی کافر ہیں؛ کیونکہ دونوں میں سے کوئی بھی شریعت کے مطابق عمل نہیں کر رہا دونوں ہی بغیر ما انزل اللہ کے فیصلے کرتے ہیں۔

تو ہم اس کے جواب میں ہم کہیں گے: تو پھر سب سے پہلے جو قانون بنایا گیا ہے وہی باقی نہیں رہتا، کیونکہ آپ نے کہا تھا کہ دستور اگر کتاب وسنت نہ ہو تو بندہ کافر ہو جاتا ہے، آپ نے ایسے شخص [جس کا دستور شرعی نہیں] اور جس کا دستور شرعی ہے ان کے درمیان جو فرق کیا تھا وہ بھی کالعدم ہو جاتا ہے۔

پھر یہ بھی کہا جائے گا کہ: الحکم بغیر ما انزل اللہ کے کفر ہونے کے لیے کیا ضابطہ ہو گا؟ کیا ایک دو فیصلوں یا اس سے زیادہ فیصلوں میں غیر شرعی قوانین کے مطابق معاملہ نمٹا دینا کفر ہو گا یا کب کفر ہو گا؟!!

اس تفصیل سے آپ کو سمجھ آگیا ہو گا کہ ابتدائی صورت میں تفریق کتنی کمزور اور بودی ہے، نیز یہ تفریق اہل سنت کے اصول وضوابط سے میل نہیں کھاتی؛ کیونکہ ایسا کوئی ضابطہ ہی نہیں ہے کہ جس سے کم از کم فیصلوں کی تعداد معین ہو سکے، ہاں اگر ضابطہ ہے بھی سہی تو وہ اہل سنت کے پاس ہے کہ جب انسان بغیر ما انزل اللہ کے ساتھ فیصلے کرنا ہی صحیح سمجھے اور کتاب وسنت کا انکار کر دے۔

اہل سنت کا یہ ضابطہ ہے کہ:

"جو عمل کفر ہے اس کی تھوڑی یا زیادہ مقدار میں کوئی فرق نہیں اور جو عمل کفر نہیں ہے اس کی تھوڑی یا زیادہ مقدار میں بھی فرق نہیں ہے"

اس کی ایک مثال حدود میں بھی آتی ہے کہ قابل حد گناہ کے تکرار سے سزا میں کوئی فرق پیدا نہیں ہوتا، چنانچہ جو شخص کئی بار زنا کرلے اور اس پر زنا کی حد نہ لگی ہو تو اسے ایک بار ہی زنا کی حد لگے گی، زنا کی تعداد نہیں دیکھی جائے گی، یہی عمل دیگر تمام حدود میں لاگو ہوگا؛ کیونکہ حد زنا کے لیے مقرر کی گئی ہے اس کی تعداد کے لیے نہیں، بالکل اسی طرح معاملہ ایسے گناہوں کے ساتھ ہوگا جس کی سزا قتل ہے، ایسے گناہوں کی تعداد یا تکرار کو نہیں دیکھا جائے گا۔

چنانچہ ابن تیمیہ کہتے ہیں:

"خون رائیگاں قرار دینے والے گناہ کا ارتکاب تعداد کم ہو یا زیادہ اس سے کوئی فرق نہیں پڑتا، چاہے اس گناہ کی نوعیت سنگین ہو یا معمولی، [اتنا ضروری ہے کہ اس گناہ کے ارتکاب پر خون رائیگاں ہو سکتا ہے] تو اس پر قتل جائز ہوگا، چاہے اس گناہ کا تعلق قول سے ہو یا فعل سے، مثلاً: کوئی مرتد ہو جائے، شادی شدہ شخص زنا کرلے، یا محاربہ [دہشت گردی] میں ملوث ہو یا کوئی اور اسی طرح کا گناہ کرلے، اصولی طور پر یہی قاعدہ کلیہ ہے۔

لہٰذا اگر کوئی شخص یہ سمجھتا ہے کہ کچھ اقوال اور افعال ایسے ہیں اگر ان کی مقدار زیادہ ہو تو پھر قتل جائز ہے لیکن اگر معمولی ہو تو قتل جائز نہیں، تو یہ بے بنیاد اور اصولوں سے متصادم بات ہے، یہ بات مستقل طور پر دلیل کی محتاج ہے اور ایسی کوئی دلیل نہیں ہے جس میں کثرت گناہ کی بنا پر قتل کا حکم ہو اور قلت کی بنا پر قتل کرنے کی اجازت نہ ہو"[1]

اسی طرح ایک اور مقام پر کہتے ہیں:

"حدود کا نفاذ گناہ پر ہوتا ہے گناہ کی مقدار پر نہیں، یہی وجہ ہے کہ تھوڑی یا زیادہ چیز چوری کی جائے حد لاگو ہوگی، شراب نوشی تھوڑی ہو یا زیادہ حد ہر حال میں

---

(1) الصارم المسلول (176/2)

لاگو ہو گی؛ کیونکہ حد لاگو ہونے کے لیے گناہ ہونا ضروری ہے اس کی مقدار کو نہیں دیکھا جاتا، چنانچہ اگر تھوڑی یا زیادہ مقدار میں کوئی فرق نہیں ہے تو پھر ایک یا تکرار گناہ میں بھی فرق نہیں ہو گا؛ کیونکہ گناہ ایک بار ہو یا زیادہ ہر دو صورت میں گناہ ہی رہتا ہے، اور حد گناہ پر لاگو ہوتی ہے مقدار پر نہیں"[1]

اس بنا پر ہم یہ کہتے ہیں کہ الحکم بغیر ما انزل اللہ کے مسئلے میں کفر اس وقت ہوتا ہے جب الحکم بغیر ما انزل اللہ کو مطلقاً حلال سمجھیں اور ما انزل اللہ کا صریح انکار کر دیں، اور اگر الحکم بغیر ما انزل اللہ کو حرام سمجھیں اور اس پر گناہ کا نظریہ بھی رکھیں تو یہ کفر نہیں ہے۔

لہٰذا ایک یا دو مسئلوں میں الحکم بغیر ما انزل اللہ معیار نہیں ہیں، نہ ہی غیر ما انزل اللہ کو دستور میں شامل کرنا معیار ہے، بلکہ معیار یہ ہے کہ الحکم بغیر ما انزل اللہ کو حلال سمجھے۔

یہ بھی ممکن ہے کہ کچھ لوگ ایک یا دو مسئلوں میں الحکم بغیر ما انزل اللہ اور سارے دستور کے وضعی ہونے پر جو فرق پہلے بیان کیا گیا ہے اس میں ابن قیم کی اس بات کو دلیل بنائیں، ابن قیم کہتے ہیں:

> " صحیح بات یہ ہے کہ الحکم بغیر ما انزل اللہ میں کفر اصغر بھی ہے اور اکبر بھی ہے اس کا تعین حاکم کی صورت حال کے مطابق ہوتا ہے؛ چنانچہ اگر حاکم یہ نظریہ رکھے کہ اس مسئلے میں الحکم بغیر ما انزل اللہ واجب ہے، لیکن وہ اس کے مطابق فیصلہ نہیں کرتا اور وہ یہ سمجھتا ہے کہ بما انزل اللہ کے مطابق فیصلہ نہ کر کے میں سزا کا مستحق ٹھہرا ہوں تو یہ کفر اصغر ہے، اور اگر وہ یہ سمجھتا ہے کہ اس مسئلے میں بما انزل اللہ کے مطابق فیصلہ کرنا واجب نہیں ہے بلکہ

---

(1) مجموع الفتاوی (345/32)

اسے اختیار حاصل ہے کہ وضعی قوانین کے مطابق فیصلہ کرے یا شرعی قوانین کے مطابق، ساتھ میں اسے شرعی قوانین کے متعلق یہ بھی یقین ہو کہ یہ اللہ تعالی کا فیصلہ ہے لیکن پھر بھی وہ ان کے مطابق فیصلہ نہیں کرتا تو پھر یہ کفر اکبر ہے۔ البتہ اگر اسے شرعی قانون کا علم نہیں ہے یا اسے سمجھنے میں غلطی لگی ہے تو پھر اس کا حکم خطاکاروں والا ہوگا۔" (1)

انہیں اس عبارت کو سمجھنے میں یہ غلطی لگی کہ ابن قیم یہاں "اس مسئلے" کا کہہ کر یہ مراد لے رہے ہیں جب ایسے مسائل کی تعداد زیادہ ہو گی تو تب کفر اکبر بن جائے گا، حالانکہ یہ غلط ہے؛ کیونکہ ابن قیم اس جگہ پر ایسے حاکم کا حکم بیان کر رہے ہیں جو بغیر ما انزل الله کے مطابق فیصلے صادر کرتا ہے حالانکہ اسے متعلقہ مسائل میں اللہ تعالی کے فیصلوں کا علم ہے، وہ اللہ تعالی کے فیصلوں سے نابلد نہیں ہے، انہوں نے یہ بات اس لیے کی کہ ایسا حاکم عمداً بغیر ما انزل الله کے مطابق فیصلے کر رہا ہے۔

ہماری اس ساری گفتگو کا یہ مطلب نہیں ہے کہ کوئی بھی اہل علم مکمل دستور کے وضعی ہونے پر کفر کا فتوی نہیں لگاتا، یا ہم اِن کفر کے فتوے لگانے والوں کو۔نعوذ باللہ۔گمراہ کہیں، یہ ہر گز مقصود نہیں ہے، ہمارا مقصد صرف یہ ہے کہ ابتدا میں ذکر شدہ مسئلے میں تفریق کمزور ہے، نیز یہ تفریق اہل سنت کے اصولوں سے میل نہیں کھاتی، چنانچہ ایسی صورت حال میں یعنی جب کسی مسئلے کے متعلق تنازع پیدا ہو تو کتاب و سنت ہی حرفِ آخر قرار پاتے ہیں اور اجماعِ امت ہی آخری سہارا ہوتے ہیں۔

اس کے ساتھ ساتھ یہ بات بھی شامل کریں کہ جو معاصر اہل علم مکمل طور پر قوانین وضعی ہونے کی صورت میں کفر کا فتوی دیتے ہیں انہوں نے اس مسئلے کو ایسے مسائل میں شامل نہیں کیا جن پر اجماع ہو چکا ہے اور اب اس کی مخالفت جائز نہیں ہے، معاصر خارجی اسی

---

(1) مدارج السالکین (336/1)

بات کا دعوی کرتے ہیں [یعنی وہ اجماع کے دعوے دار ہیں] چنانچہ معاصر اہل علم اس مسئلے میں اپنے مخالفین کو مرجئ نہیں کہتے، بلکہ انہوں نے یہ کہا ہے کہ یہ مسئلہ کفریہ مسائل میں سے مختلف فیہ مسئلہ ہے، بالکل اسی طرح جیسے نماز چھوڑنے اور زکاۃ نہ دینے کی صورت میں کفر کے متعلق اختلاف ہے، اسی طرح خارجیوں کے حکم میں بھی اختلاف ہے، یہی وجہ ہے کہ ان مسائل کے جواب حاصل کرنے کے لیے یہ اہل علم فریق مخالف سے رجوع کرنے کی بات کرتے ہیں، جیسے کہ شیخ ابن عثیمین رحمہ اللہ اس مسئلے میں شیخ ابن باز اور البانی رحمہم اللہ و دیگر سے رجوع کرنے کا کہتے تھے۔[1]

یہی وجہ ہے کہ شیخ ابن عثیمین اس مسئلے میں اپنے موقف کو بیان کرتے ہوئے کہتے ہیں: "مجھے محسوس ہوتا ہے" "اسی طرح" مجھے لگتا ہے کہ" یا اسی طرح کی دیگر عبارتیں استعمال کرتے ہوئے نظر آتے ہیں، شیخ ابن عثیمین کے موقف پر جو اہل علم ہیں وہ بھی اسی طرح کی عبارتیں استعمال کرتے ہیں، اور یہ بات واضح ہے کہ ایسی عبارتیں اجماعی مسائل میں نہیں کہی جاتیں، یا متفقہ عقدی مسائل میں ان کا استعمال روا نہیں ہے۔

اس بارے میں یہ بھی کہا جا سکتا ہے کہ: شیخ ابن عثیمین نے شریعت مخالف قانون سازی کو مستقل کفر قرار نہیں دیا، بلکہ اسے اس بات کی دلیل قرار دیا ہے کہ حاکم وضعی قوانین کو شرعی قوانین پر ترجیح دے رہا ہے، تو اس سے معلوم ہوتا ہے کہ شیخ ابن عثیمین اور ان کے ہم موقف اہل علم کے نزدیک الحکم بغیر ما انزل اللہ کے مسئلے میں انسان اسی وقت کافر ہوتا ہے جب وہ اللہ تعالی کے حکم پر وضعی قوانین کو افضل سمجھے یا وضعی قوانین سے فیصلے جائز سمجھے یا شرعی قوانین کا سرے سے انکار کر دے۔ اور یہی بات اہل سنت بھی کرتے ہیں، اس

---

(1) کویت سے جاری ہونے والے مجلہ "الفرقان" میں یہ چیز موجود ہے۔ بلکہ اس سے بڑھ کر یہ ہے کہ شیخ ابن عثیمین نے اس مسئلے کے متعلق شیخ البانی کا رسالہ اپنی مسجد میں شرح کے ساتھ طلبا کو پڑھایا بھی ہے اور پھر اسے شیخ ابن عثیمین کی تعلیقات کے ساتھ ابن باز کی اجازت سے نشر بھی کیا گیا ہے، اس کا عنوان ہے: "فتنة التكفير"

سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ معاصر علمائے اہل سنت ایک ہی مشرب سے علم حاصل کرتے ہیں جو کہ گمراہ لوگوں کے مشرب سے الگ تھلگ ہے۔

ایسے ہی یہ بھی کہا جا سکتا ہے کہ: یہ مسئلہ زیادہ سے زیادہ اس میں یہ کہہ سکتے ہیں کہ یہ اختلافی مسئلہ ہے، لہٰذا اس مسئلے کی بنا پر کسی بھی حاکم کے خلاف خروج یا بغاوت جائز نہیں؛ کیونکہ حکمران کے خلاف خروج اور بغاوت اسی صورت میں جائز ہے جب کفر بالکل واضح ہو اس کے کفر ہونے میں کوئی دو رائے نہ ہوں، اس میں کسی قسم کا شبہ یا تاویل نہ ہو، یہی مراد ہے رسول اللہ ﷺ کے اس فرمان سے: (الا کہ تم واضح کفر دیکھو، تمہارے پاس اس بارے میں اللہ تعالی کی جانب سے واضح دلیل بھی ہو)

❀❀❀❀

دوسرا مبحث:

اہل سنت کے ہاں اس مسئلے میں ضابطہ یہ ہے کہ واضح لفظوں میں بول کر یا لکھ کر حاکم کہے، محض عمل کافی نہیں ہے

اہل سنت والجماعت اس وقت تک کسی کو گناہوں کی وجہ سے کافر نہیں کہتے جب تک کوئی گناہوں کو اپنے لیے حلال نہ سمجھ لے[1]، دوسری طرف خوارج اور معتزلی فکر کے حامل افراد کبیرہ گناہوں کی وجہ سے مسلمان پر کافر ہونے کا حکم لگا دیتے ہیں، اس مسئلے میں اہل سنت والجماعت کے دلائل عقیدے کی کتابوں میں تفصیل سے ذکر کئے گئے ہیں، اس مبحث میں ہم گناہوں کو حلال سمجھنے کا معنی بیان کریں گے کہ اہل سنت کے ہاں یہ کب ہوتا ہے اور اس کا ضابطہ کیا ہے۔

یہ بات مسلمہ ہے کہ جس کام کے حرام ہونے پر سب کا اجماع ہو چکا ہو اسے حلال سمجھنے والا کافر اور اللہ اور اس کے رسول کی مخالفت کرنے والا ہے۔

شیخ الاسلام ابن تیمیہ کہتے ہیں:

"رسول اللہ ﷺ کو گالی دینے والے کا کفر استحلال کی بنا پر ہو تو اس کا مطلب یہ نکلتا ہے کہ - نعوذ باللہ - رسول اللہ ﷺ کو گالی دینا جائز ہے"[2]

اور استحلال یہ ہے کہ کسی حرام چیز کو حلال سمجھنا۔

پھر چونکہ استحلال کا تعلق دل سے اور دل کی بات کسی کے علم میں نہیں آسکتی اس لیے کسی گناہ کا ارتکاب استحلال کی دلیل نہیں بن سکتا چاہے بندہ اس گناہ پر اصرار ہی کیوں نہ

---

(1) اس کیلیے شرعی اصطلاحات میں "استحلال" کا لفظ استعمال ہوتا ہے، آگے ترجمے میں "استحلال" کا لفظ استعمال ہو تو اس کا یہی مطلب اور مفہوم لیا جائے۔ مترجم

(2) الصارم المسلول (516/1)

کرے، دل کی بات اسی وقت معلوم ہو گی جب گناہ کو حلال سمجھنے والا شخص خود بیان کرے گا، اور بیان دو انداز سے ہی ہو سکتا ہے:

بول کر: مثلاً یہ کہہ دے کہ یہ چیز حلال ہے۔

لکھ کر: مثلاً اپنا نظریہ اور موقف تحریر میں لے آئے، یا ایسی ہی کوئی بات کرے جس میں کسی قسم کا شائبہ نہ ہو۔

چنانچہ ابن تیمیہ کہتے ہیں:

"ہم نے پہلے جو احادیث اور آثار ذکر کیے ہیں ان میں واضح دلائل موجود ہیں کہ صرف اللہ تعالی یا رسول اللہ ﷺ کو تکلیف پہنچانا ہی کفر ہے، اس میں اس بات کو مد نظر نہیں رکھا جائے گا کہ تکلیف پہنچانے والے کا نظریہ کفریہ تھا یا نہیں! لہٰذا ہمیں یہاں پر دوبارہ بات دہرانے کی ضرورت ہی نہیں ہے، بلکہ حقیقت تو یہ ہے کہ ان دلائل میں واضح بات موجود ہے کہ جو شخص بھی گالی دے یا گستاخی کرے تو وہ کافر ہے، اور اس کے کافر ہونے کی وجہ سے اس کا قتل حلال ہو چکا ہے، اس کی ایک دلیل یہ بھی بنتی ہے کہ اگر قتل حلال ہونے کا سبب یہ نظریہ ہو کہ -نعوذ باللہ- نبی کو گالی دینا حلال ہے، تو اس وقت تک اس شخص کو کافر قرار دینا اور قتل کرنا جائز نہیں ہو گا جب تک یہ نظریہ دلائل سے اتنے ٹھوس انداز سے ثابت نہ ہو جائے جس سے کسی کا قتل کرنا حلال ہو سکتا ہو"(1)

اب یہاں پر امام ابن تیمیہ نے اللہ تعالی اور رسول اللہ ﷺ کو گالی دینا اسے حلال سمجھنے کی دلیل شمار نہیں کیا، حالانکہ گالی دینا بہت ہی سنگین اور خطرناک جرم ہے، پھر یہ بھی بتلایا کہ استحلال کا علم اسی وقت ہو گا جب وہ اختیاری طور پر ایسا [اعترافی] کام کرے جس میں اللہ اور اس کے رسول کو گالی دینا شامل نہ ہو۔ اصل میں یہاں ابن تیمیہ رحمہ اللہ ان لوگوں پر رد کرنا

(1) الصارم المسلول (964/3)

چاہتے ہیں جو اللہ اور اس کے رسول کو گالی دینے والے پر کفر کا فتوی اسی وقت لگاتے ہیں جب گالی دینے والا استحلال کا قائل ہو، حالانکہ اللہ اور رسول اللہ کو گالی دینے والے کا کفر دلائل سے ثابت ہو چکا ہے اس میں استحلال یا غیر استحلال کی کوئی قید نہیں ہے، بس اتنا ہے کہ گالی دینے والا اپنے اختیار سے گالی دے اس پر کسی نے جبر نہ کیا ہو۔

یہی وجہ ہے کہ اہل سنت والجماعت گناہگاروں اور معصیت کا ارتکاب کرنے والوں پر محض فعل گناہ کی وجہ سے کفر کا فتوی نہیں لگاتے؛ کیونکہ کسی کام پر عمل اس کے استحلال کی دلیل نہیں بن سکتا، محض فعل گناہ پر کفر کا فتوی خارجی لوگوں کا کام ہے۔

اللہ تعالی کا فرمان ہے:

﴿اِتَّخَذُوْٓا اَحْبَارَهُمْ وَ رُهْبَانَهُمْ اَرْبَابًا مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ وَ الْمَسِيْحَ ابْنَ مَرْيَمَ ۚ وَ مَآ اُمِرُوْٓا اِلَّا لِيَعْبُدُوْٓا اِلٰهًا وَّاحِدًا ۚ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ ۭ سُبْحٰنَهٗ عَمَّا يُشْرِكُوْنَ ﴾ [التوبہ:31]

"انہوں نے اپنے عالموں اور درویشوں کو اللہ کے سوا اپنا رب بنالیا اور مسیح ابن مریم کو بھی۔ حالانکہ انہیں حکم یہ دیا گیا تھا کہ ایک اللہ کے سوا کسی کی عبادت نہ کریں جس کے سوا کوئی الٰہ نہیں۔ اللہ تعالیٰ ان چیزوں سے پاک ہے جو وہ شریک ٹھہراتے ہیں۔"

اس کی تفسیر میں عدی بن حاتم کا واقعہ ہے کہ وہ کہتے ہیں:

"میں رسول اللہ ﷺ کے پاس آیا تو میرے گلے میں سونے کی صلیب لٹکی ہوئی تھی، تو آپ ﷺ نے فرمایا: عدی! اپنے گلے میں سے یہ بت اتار دو۔ پھر میں نے آپ ﷺ کو سورت توبہ میں سے یہ آیت ﴿اِتَّخَذُوْٓا اَحْبَارَهُمْ وَ رُهْبَانَهُمْ اَرْبَابًا مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ﴾ انہوں نے اپنے عالموں اور درویشوں کو اللہ کے سوا اپنا رب بنالیا [التوبہ: 31] پڑھتے ہوئے سنا، اور آپ ﷺ نے

فرمایا: اہل کتاب اپنے پادریوں عبادت تو نہیں کرتے تھے لیکن پادری جن چیزوں کو حلال قرار دیتے اسے حلال سمجھے اور جس چیز کو وہ حرام قرار دیتے اس چیز کو وہ حرام سمجھتے تھے "(1)

تو آپ ﷺ نے فرمایا: [اِسْتَحَلُّوْهُ]" یعنی حلال سمجھتے تھے" مطلب یہ ہے کہ وہ پادریوں کی حلال کردہ چیزوں کو حلال سمجھنے کا عقیدہ رکھتے تھے اور اسے دین کا حصہ سمجھتے؛ یہی وجہ ہے کہ اللہ تعالی نے ان کی اس عادت کو یہ کہا کہ وہ اپنے پادریوں کو رب کا درجہ دیتے ہیں، اس کی وجہ یہی تھی کہ کسی چیز کو حلال یا حرام قرار دینا اللہ تعالی کا حق ہے، تو اس سے معلوم ہوتا ہے کہ ان عیسائیوں کی جانب سے حرام کاموں کو حلال سمجھنا محض عملی گناہ نہیں تھا بلکہ نظریاتی گناہ تھا اور اسی نظریاتی گناہ کی بنا پر وہ کفر اور شرک تک پہنچے۔

ابن تیمیہ کہتے ہیں:

"جن لوگوں نے اپنے پادریوں اور راہبوں کو رب کا درجہ دیتے ہوئے ان کی حلال و حرام کے احکام میں پیروی کی یہ عمل دو طرح ہو سکتا ہے:

1۔انہیں علم ہو کہ پادریوں اور راہبوں کی جانب سے بیان کردہ حکم دینِ الٰہی کو تبدیل کرنے کے مترادف ہے لیکن پھر بھی وہ اپنے راہبوں کی بات مانتے ہیں اور ان کے نقش قدم پر چلتے ہوئے اللہ تعالی کے حرام کردہ امور کو حلال اور حلال کردہ امور کو حرام جانتے ہیں، حالانکہ انہیں یہ بھی علم تھا کہ یہ امور رسولوں کے لائے ہوئے دین سے متصادم ہیں اس کے باوجود انہوں نے اس پر عمل کیا تو یہ کفر ہے، اللہ تعالی اور رسول اللہ ﷺ نے ان کے اس عمل کو شرک قرار دیا اگرچہ وہ ان کے سامنے رکوع سجدے نہیں کرتے تھے لیکن پھر بھی ان کا یہ عمل شرک ہے۔اس لیے ہر وہ شخص جسے یہ علم ہو جائے کہ فلاں کی بات دین

(1) اس حدیث کو ترمذی(3095)، سنن کبری بیہقی(198/10) اور دیگر نے روایت کیا ہے، اسے البانی نے صحیح ترمذی(2471) میں اسے حسن قرار دیا۔

سے متصادم ہے لیکن پھر بھی وہ دین سے متصادم باتوں کو دل سے لگاتا ہے انہی پر عمل پیرا ہوتا ہے اللہ اور اس کے رسول کی باتوں کو نہیں مانتا تو وہ بھی انہی اہل کتاب کی طرح مشرک ہوگا۔

2۔ دوسری صورت یہ ہے کہ: ان کا نظریہ اور عقیدہ یہ ہو کہ وہ اللہ تعالی کی جانب سے حرام کردہ چیزوں کو حرام سمجھتے ہیں حلال چیزوں کو حلال سمجھتے ہیں[1] لیکن پھر بھی گناہ کا ارتکاب کرتا ہے جیسے کہ آج کل کچھ مسلمان گناہوں کا ارتکاب کر لیتے ہیں اور انہیں یہ معلوم ہوتا ہے کہ یہ گناہ ہے، تو ان کا حکم بھی دیگر گناہگاروں جیسا ہوگا"[2]

اسی طرح ابو بکر ابن العربی کہتے ہیں:

"کسی مشرک کی اطاعت کی وجہ سے کوئی مومن اسی وقت مشرک ہوتا ہے جب مشرک کی اطاعت اپنے عقیدے میں شامل کرلے، لیکن اگر صرف عملی طور پر مشرک کی بات مانے لیکن عقیدے میں مشرک کی اطاعت کو شامل نہ کرے بلکہ اس کا عقیدہ صحیح ہو تو پھر وہ صرف گناہگار ہے، خوب سمجھ لیں!" [3]

اس سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ استحلال کا مطلب یہ ہے کہ کسی چیز کے جائز ہونے کا عقیدہ رکھیں اور عقیدہ یا نظریہ بول کر بتلانے سے معلوم ہوتا ہے محض عمل سے نہیں چاہے عمل میں اصرار اور دوام ہی کیوں نہ پایا جائے، البتہ اگر کوئی عمل بذات خود کفر ہو مثلاً: بت کو سجدہ کرنا، قرآن مجید کی گستاخی کرنا، اللہ اور اس کے رسول کو گالی دینے اور اسی طرح کے دیگر امور میں استحلال نہیں دیکھا جائے گا۔

---

(1) یہاں مصنف نے عربی نسخے کی غلطی کی جانب اشارہ کیا، تو ترجمہ اسی اعتبار سے کیا ہے جیسے انہوں نے رہنمائی کی ہے۔ مترجم

(2) مجموع الفتاوی (70/7)

(3) تفسیر قرطبی (78/7)

شیخ ابن عثیمین استحلال کے بارے میں ضابطہ بیان کرتے ہوئے کہتے ہیں:
"استحلال: یہ ہے کہ انسان کسی ایسی چیز کو حلال سمجھے جو اللہ تعالی نے حرام قرار دی ہے۔
جبکہ استحلال عملی طور پر ہو تو دیکھا جائے گا: اگر وہ کام بذات خود کفریہ ہو تو اسے کرنے والا کافر اور مرتد ہوگا [جیسے کہ بت کو سجدہ کرنا وغیرہ]۔
مثال کے طور پر: اگر کوئی شخص سودی لین دین کرتا ہے، وہ یہ نہیں سمجھتا کہ سودی لین حلال ہے، لیکن پھر بھی سودی لین دین میں ملوث رہتا ہے، تو ایسی صورت میں وہ کافر نہیں ہے؛ کیونکہ وہ سودی لین دین کو حرام ہی سمجھتا ہے۔
لیکن اگر وہ یہ کہے کہ سودی لین دین حلال ہے اور اسے مراد یہ لیتا ہے کہ جس سود کو اللہ نے حرام قرار دیا ہے وہ حلال ہے تو اس پر ایسا شخص کافر ہو جائے گا؛ کیونکہ اس نے اللہ اور اس کے رسول کے حکم کو مسترد کر دیا ہے۔
اس سے معلوم ہوا کہ استحلال دو طرح کا ہوتا ہے:
استحلال عملی اور استحلال عقدی۔
استحلال عملی میں یہ دیکھا جائے گا کہ کیا وہ عمل بذات خود کفریہ عمل ہے یا نہیں؟ تو اس سلسلے میں یہ بات سب کو معلوم ہے کہ سود کھانے سے انسان کافر نہیں ہوتا اگرچہ یہ کبیرہ گناہوں میں سے ہے، لیکن اگر کوئی شخص بت کو سجدہ کرتا ہے تو اس سے وہ کافر ہو جائے گا، کیوں کافر ہوگا؟ اس لیے کہ بت کو سجدہ کرنا بذات خود کفر ہے۔"(1)

❀❀❀❀

(1) لقاء الباب المفتوح، مجلس نمبر: (50) سوال نمبر: (1200)

تیسرا مبحث:

اہل سنت کے ہاں شرعی حکمران کون ہوتا ہے؟

شرعی حکمران اور امام کون ہوتا ہے؟ یہ ایک اہم اور حساس موضوع بن چکا ہے، اس کی وضاحت انتہائی ضروری ہو چکی ہے؛ کیونکہ بدعتی لوگوں نے اس کے بارے میں بہت زیادہ پیچیدگیاں کھڑی کر دی ہیں؛ اس لیے کہ بہت سی جماعتیں ایسی موجود ہیں جو اپنا خاص امام بنائے ہوئے ہیں جس سے حکمرانی کے مقاصد اور اہداف پورے نہیں ہوتے بلکہ اس میں اس قسم کی کوئی صلاحیت ہی نہیں ہوتی کہ اسے حکمران کہا جائے۔[1]

تو یہ ایک بری روایت قائم ہو چکی ہے جو کہ رافضیوں کی عادت کے مطابق ہے وہی اپنا امام مقرر کرتے ہیں جس کے وجود کا بھی رافضیوں کا علم نہیں ہوتا۔[2]

تو اہل سنت کے ہاں شرعی حکمران وہ ہوتا ہے جس کی وجہ سے حکمرانی کے مقاصد اور اہداف حاصل ہوں، اور یہ وہی شخص ہو سکتا ہے جو لوگوں کو اپنی اطاعت پر مجبور کر سکے، اپنے احکام نافذ کرنے کی اس میں صلاحیت موجود ہو، رعایا کے مفاد میں کام کرے اور اس کے علاوہ حکومتی ذمہ داریاں نبھائے۔ ابو حسن ابن زاغوانی کہتے ہیں:

> "حکمران اس لیے بنایا جاتا ہے کہ: قانون کی بالادستی ہو، عدل و انصاف کا نظام قائم ہو، ملک و قوم کے معاملات مثبت انداز میں نمٹائے جائیں، سرحدوں کی حفاظت ہو، فوج کی دیکھ بھال اس انداز سے ہو کہ دین کو غلبہ حاصل ہو اور حق بات پھلے اور پھولے، باطل اور کفریہ نظریات چور ہو جائیں، بدعات اور ظلم کا

(1) دیکھیں: الایضاح(601) میں امامت کا بیان

(2) جیسے کہ رافضیوں کا عقیدہ ہے "امام زمانہ" بارہویں امام کے متعلق اور اسی طرح آج کل داعش کے امیر اور امام ابو بکر بغدادی کا معاملہ ہے دونوں میں قدر مشترک یہ ہے کہ دونوں ہی اپنے معتقدین سے دور اور لاتعلق ہیں۔

خاتمہ ہو، جارحیت کرنے والوں کو آہنی ہاتھوں سے روکیں، مظلوم کی مدد ہو، حکمران بنانے کا مقصد یہی ہوتا ہے کہ مفادِ عامہ میں آنے والے تمام امور بہترین اور منظم انداز میں پروان چڑھیں"[1]

مذکورہ بالا تمام امور سرانجام دینے کے لیے حکمران کے پاس اتنی طاقت یا تو اہل حل و عقد -یعنی معاشرے کے بااثر اور سرکردہ افراد- کے بیعت کرنے سے آتی ہے، یعنی ان کی بیعت کر لینے کے بعد کسی کے پاس بیعت توڑنے کا جواز باقی نہیں رہ جاتا۔

یا پھر حکمران کے غلبے اور زورِ بازو کی وجہ سے حاصل ہوتی ہے چاہے لوگ اسے ناپسند بھی کریں؛ کیونکہ معاملات کی باگ ڈور اس کے ہاتھ میں آچکی ہے اس کے فیصلے مانے جا رہے ہیں اور نئے احکامات جاری ہو رہے ہیں اور یہی حکمران بننے کے مقاصد ہوتے ہیں، نیز اب کسی میں بزورِ شمشیر تخت نشین ہونے جرأت نہیں ہے تو اس سے غاصب کو بھی حکمران مان لیا جائے گا، یہی ساری امت کا اجماعی موقف ہے۔

چنانچہ عرباض بن ساریہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے: (ہمیں ایک دن فجر کی نماز کے بعد بلیغ ترین وعظ فرمایا، اس کی وجہ سے ہر آنکھ اشکبار ہو گئی اور دل پگھل گئے، اس پر ایک شخص نے کہہ دیا: یہ تو الوداعی خطاب لگتا ہے، اللہ کے رسول! آپ ہمیں کیا نصیحت کریں گے؟ تو آپ ﷺ نے فرمایا: اگر تم پر کوئی حبشی غلام بھی حاکم بن جائے تو میں تمہیں تقوی الٰہی اور سمع و اطاعت کی نصیحت کرتا ہوں، میرے بعد جو بھی زندہ رہے گا بہت زیادہ اختلافات دیکھے گا، تم اپنے آپ کو نت نئے امور سے بچانا کیونکہ وہ سب گمراہی ہیں، اگر تم میں سے کوئی اختلافات کا زمانہ پائے تو میری اور ہدایت یافتہ خلفائے راشدین کی سنت پر عمل پیرا رہے، اسے پر مضبوطی سے ڈٹ کر عمل کرے)[2]

---

(1) دیکھیں: الايضاح في أصول الدين (601)

(2) ترمذی (44/5) اور دیگر محدثین نے اسے روایت کیا ہے، امام ترمذی نے اسے بیان کرنے کے بعد حسن صحیح قرار دیا اور البانی نے اسے صحیح ابوداود (3851) میں صحیح کہا ہے۔

تو یہاں پر نبی ﷺ نے یہ بات واضح کر دی کہ جو شخص بزور طاقت غالب آ جائے اور زمام حکمرانی اپنے ہاتھ میں لے لے تو اس کی اطاعت کرنا واجب ہو جاتا ہے، اس سے حکمرانی چھیننے کے لیے کوشش کرنا حرام ہے چاہے حکمران بننے والا شخص کسی کا غلام ہی کیوں نہ ہو۔

امام احمد اس بارے میں کہتے ہیں:

"حکمران اور امیر المؤمنین نیک ہو یا بدکار لوگ اس کی فرمانبرداری لازمی ہے، اسی طرح جو خلیفہ بن گیا ہے اور لوگوں نے اس پر اظہار اعتماد کر دیا ہے اس کی بھی اطاعت لازمی ہے، اور جو بزورِ شمشیر خلیفہ بن گیا اور اسے لوگوں نے امیر المؤمنین کا لقب دیا گیا تو اس کی اطاعت بھی لازمی ہے۔"(1)

ابن بطال کہتے ہیں:

"تمام فقہائے کرام اس بات پر متفق ہیں کہ جو حاکم بزور شمشیر زمام حکومت سنبھالے تو اس کی اطاعت کرنا اس کی قیادت میں جہاد کرنا واجب ہے، نیز ایسے حاکم کی اطاعت اس کے خلاف بغاوت کرنے سے کہیں بہتر ہے؛ کیونکہ اس طرح سے لوگوں کی جانیں محفوظ رہیں گی اور انتشار یا بے چینی نہیں پھیلے گی"(2)

اس کے متعلق اہل علم کی گفتگو بہت زیادہ ہے۔

اس لیے ایسا امام اور حکمران بنانے کو نہ تو شریعت جائز سمجھتی ہے اور نہ ہی عقل اس کی گنجائش نکالتی ہے کہ اس کی بیعت تو ہو لیکن ان کے پاس کوئی طاقت و قوت نہ ہو۔

ابن تیمیہ کہتے ہیں:

"نبی ﷺ نے ایسے حکمرانوں کی اطاعت کرنے کا حکم دیا ہے جن کا حقیقت میں وجود بھی ہو اور مشہور و معروف بھی ہوں وہ لوگوں پر سیاست کی طاقت بھی

---

(1) شرح اصول الاعتقاد از لالکائی (161/1)

(2) فتح الباری (7/3)

رکھتے ہوں، معدوم، مجہول اور ایسے شخص کی اطاعت کرنے کا حکم نہیں دیا جن کے پاس کسی قسم کی کوئی طاقت و قوت نہ ہو"(1)

ایک اور جگہ انتہائی نفیس گفتگو کرتے ہوئے کہتے ہیں:

"انسان اسی وقت حکمران بنتا ہے جب خطے کے سر کردہ لوگ اسے اپنا حکمران تسلیم کر لیں، اگر وہ اطاعت گزاری میں آ جائیں تو حکمران بننے کا مقصد اور ہدف پورا ہوتا ہے؛ کیونکہ حکمران بنانے کا مقصد ہی اس وقت پورا ہو گا جب ہاتھ میں قوت اور سلطانی ہو گی، لہذا اگر کسی آدمی کی ایسے لوگ بیعت کریں جن کی وجہ سے اسے قوت اور سلطانی مل جائے تو وہ شرعی حکمران بن جائے گا، اسی لیے سلف صالحین نے کا کہنا ہے کہ: جس شخص کے ہاتھ میں قوت اور سلطانی آ جائے اور وہ حکمرانی کے تمام تقاضے پورے کرنے لگے تو وہ ان لوگوں میں شامل ہے جن کی اطاعت کا حکم اللہ تعالی نے دیا ہے بشرطیکہ کہ اللہ تعالی کی نافرمانی کا حکم نہ دیں۔

لہذا امام اور حکمران صاحب سلطنت اور بادشاہت ہوتا ہے، اور انسان ایک دو اور چار افراد کے تسلیم کرنے سے نہیں بنتا، ہاں اگر یہ دو چار افراد ایسی بااثر شخصیتوں پر مشتمل ہوں کہ دیگر افراد بھی ان کی موافقت کریں گے تو پھر وہ بادشاہ بن جائے گا"

آگے چل کر مزید لکھتے ہیں:

"اگر کوئی شخص امیر، قاضی یا والی یا حکمران بنے تو وہ اسی وقت بنے گا جب اس کے تقاضے پورے ہوں گے اور اگر اس کے تقاضے پوری نہیں تو وہ امیر یا والی کچھ بھی نہیں؛ کیونکہ حکمران بننے کا مقصد یہ ہوتا ہے کہ جو کام حاکم نے کرنے ہیں وہ کام ہونے لگ جائیں، اگر کسی شخص کے پاس اتنی قوت اور طاقت ہے جس کی بنا پر یہ کام ہو سکتے ہیں تو وہ حاکم ہے۔۔۔ لوگوں پر حکمرانی یا تو انہیں اپنی اطاعت پر راضی کر کے ہو سکتی ہے یا پھر بزورِ شمشیر مجبور کر کے، لہذا جس بھی طریقے سے

---

(1) منہاج السنہ (115/1)

وہ لوگوں پر حکمرانی کرنے لگے تو اس کی اطاعت لازمی ہے؛ بشرطیکہ وہ اللہ کی اطاعت کا حکم دے۔

یہی وجہ ہے کہ امام احمد نے عبدوس بن مالک العطار کے رسالے میں کہا: ہمارے ہاں عقیدے کا بنیادی مسئلہ ہے کہ ہم اسی منہج کو اپنائیں گے جو رسول اللہ ﷺ کا منہج تھا، یہاں تک کہ انہوں نے کہا: اگر کوئی مسند خلافت پر براجمان ہو اور تمام لوگ اس کے خلیفہ ہونے کو تسلیم کر لیں، اسی طرح جو شخص بزورِ شمشیر خلیفہ بنے اور اسے امیر المؤمنین کا لقب مل جائے، تو اسی کے تحت بیت المال میں زکاۃ جمع کروانا جائز ہے چاہے وہ خود نیک ہو یا فاجر۔

اسی طرح انہوں نے یہ بھی کہا کہ: اسحاق بن منصور کی روایت میں ہے کہ نبی ﷺ کی اس حدیث کا کیا مطلب ہے: (جو شخص فوت ہو جائے اور اس کا کوئی حکمران نہ ہو تو وہ جاہلیت کی موت مرا) اس کا کیا معنی ہے؟

تو انہوں نے کہا: جانتے ہو حکمران کون ہے؟ حکمران وہ ہے جس کو سب مسلمان حاکم تسلیم کریں، سب کے سب یہ کہیں کہ: یہ ہمارا حکمران ہے، یہ ہے اس حدیث کا مفہوم"[1]

❀❀❀❀

(1) منہاج السنہ (527/1)

دوسرا باب

خوارج کی تاریخ
اوران کے
متعلق قانونِ الٰہی

تمہید

زمانہ قدیم اور جدید میں رونما ہونے والی خارجی تحریکیں اور ان کی ابتدا، ارتقا اور نتائج کے متعلق مختصر بیان:

تاریخ اسلامی پر نظر ڈالنے والے کو مسلم حکمرانوں کے خلاف بغاوت اور خروج کی تحریکیں نظر آئیں گی، اور یہ بھی اس کے لیے واضح ہو گا کہ شریعت نے حکمرانوں کے ظلم پر صبر کرنے کی تلقین کیوں کی؟ اس کا فائدہ کسے ہے؟ اور یہ کتنا بڑا فائدہ ہے؟ اسی طرح شریعت نے بغاوت سے روکتے ہوئے جن نقصانات اور خطرات سے امت کو بچانا چاہا وہ کتنے سنگین اور اندوہناک ہیں۔

کیونکہ بغاوت کی جو بھی تحریک رونما ہوئی اس کے بعد ان خرابیوں سے بھی کہیں زیادہ بڑی خرابیاں پیدا ہوئیں جن کی وجہ سے خارجی تحریک کی ابتدا ہوئی تھی؛ یعنی تحریک چلنے سے پہلے والے نقصانات بعد میں ہونے والے نقصانات سے کہیں کم تھے۔

قانون الٰہی نا قابل تغیر و تبدل ہوتا ہے، اور یہی قانون ان گنت تاریخی واقعات کی صورت میں گواہی دیتا ہے کہ حکمرانوں کے خلاف بغاوت سے روکنے کی شرعی ممانعت کتنی پر حکمت ہے۔

اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

﴿فَلَنْ تَجِدَ لِسُنَّتِ اللّٰهِ تَبْدِيْلًا ۚ وَ لَنْ تَجِدَ لِسُنَّتِ اللّٰهِ تَحْوِيْلًا ﴾

[فاطر:43]

"آپ اللہ کے دستور کو کبھی بدلتا ہوا نہ پائیں گے اور آپ اللہ کے دستور کو کبھی منتقل ہوتا ہوا نہ پائیں گے۔"

ایک مشہور مقولہ بھی ہے کہ: "تاریخ اپنے آپ کو دہراتی ہے"
شیخ الاسلام ابن تیمیہ کہتے ہیں:
"یہی وجہ ہے کہ اہل سنت کا مشہور و معروف موقف ہے کہ وہ حکمرانوں کے خلاف مسلح بغاوت کو جائز نہیں سمجھتے چاہے ان میں ظلم ہی کیوں نہ پایا جاتا ہوں، جیسے کہ نبی ﷺ سے ثابت شدہ ڈھیروں احادیث سے بھی یہی معلوم ہوتا ہے؛ کیونکہ حکمرانوں کے خلاف مسلح بغاوت کی وجہ سے حاصل ہونے والا نقصان حکمرانوں کے ظلم سے ہونے والے نقصان سے کہیں زیادہ ہوتا ہے، اس لیے دو نقصانات میں سے ہلکے کو برداشت کرنا بہتر ہے۔
یہ بھی ممکن ہے کہ کوئی ایسی خارجی اور باغیوں کی تحریک نہیں ہے جنہوں نے کسی حاکم کے خلاف بغاوت کی ہو اور ان کی تحریک کی وجہ سے پہلے سے زیادہ نقصانات پیدا نہ ہوئے ہوں، یہی وجہ ہے کہ اللہ تعالی نے شتر بے مہار کی طرح ہر ظالم اور باغی کے خلاف مسلح کاروائی کا حکم نہیں دیا اور نہ ہی باغیوں سے ابتداء قتال کا حکم دیا ہے بلکہ اللہ تعالی کا فرمان یہ ہے کہ:
﴿وَ اِنۡ طَآئِفَتٰنِ مِنَ الۡمُؤۡمِنِیۡنَ اقۡتَتَلُوۡا فَاَصۡلِحُوۡا بَیۡنَہُمَا ۚ فَاِنۡۢ بَغَتۡ اِحۡدٰىہُمَا عَلَی الۡاُخۡرٰی فَقَاتِلُوا الَّتِیۡ تَبۡغِیۡ حَتّٰی تَفِیۡٓءَ اِلٰۤی اَمۡرِ اللّٰہِ ۚ فَاِنۡ فَآءَتۡ فَاَصۡلِحُوۡا بَیۡنَہُمَا بِالۡعَدۡلِ وَ اَقۡسِطُوۡا ؕ اِنَّ اللّٰہَ یُحِبُّ الۡمُقۡسِطِیۡنَ ﴿۹﴾﴾
[الحجرات:9]
''اور اگر مومنوں کے دو گروہ آپس میں لڑ پڑیں تو ان کے درمیان صلح کرادو۔ پھر اگر ان میں سے کوئی فریق دوسرے پر زیادتی کرے تو زیادتی کرنے والے سے لڑو، یہاں تک کہ وہ اللہ کے حکم کی طرف لوٹ آئے۔ پھر اگر گروہ لوٹ آئے تو ان کے درمیان انصاف سے صلح کرادو اور انصاف کیا کرو۔ کیونکہ اللہ انصاف

کرنے والوں کو پسند کرتا ہے۔"

جب ان آیات میں اللہ تعالیٰ نے باغیوں سے ابتداء لڑائی کا حکم نہیں دیا تو حکمرانوں سے ابتداء قتال کرنے کا حکم کیسے ہو سکتا ہے؟!"[1]

اسی طرح ایک اور مقام پر کہتے ہیں:

"صاحب تسلط حکمران کے خلاف جو بھی بغاوت کرتا ہے اس کا نقصان فائدے سے کہیں زیادہ ہوتا ہے، مثلاً: مدینہ میں یزید کے خلاف بغاوت کرنے والے، عراق میں عبدالملک کے خلاف بغاوت کرنے والے، یزید بن عبدالملک کے خلاف خراسان میں ابن المہلب کی بغاوت، خراسان ہی میں ابو مسلم خراسانی[2] کی بغاوت اور مدینہ و بصرہ دونوں شہروں میں ابو جعفر المنصور کے خلاف بغاوت کرنے والے لوگوں کا رآخر کا نتیجہ یہ نکلتا ہے کہ یا تو شکست خوردہ ہو جاتے ہیں یا پھر بغاوت میں کامیاب ہو بھی جائیں تو جلد ہی ان کا بھی دھڑن تختہ ہو جاتا ہے، لہٰذا ہر دو صورت میں نتائج ان کے خلاف ہی برآمد ہوتے ہیں؛ کیونکہ عبداللہ بن علی[3] اور ابو مسلم دونوں نے لوگوں کی ایک بہت بڑی تعداد کو قتل کیا، لیکن ان دونوں کو خلیفہ ابو جعفر منصور نے قتل کروا دیا، جبکہ اہل حرّہ، ابن اشعث کے رفقاء، اور ابن المہلب کے ساتھی اور دیگر باغی سب کو بھی شکست کا سامنا کرنا پڑا، انہوں نے اپنی بغاوت کے ذریعے نہ تو اقامتِ دین کا کام کیا اور نہ ہی ان کی دنیا بن سکی۔ اور اللہ تعالیٰ کسی بھی ایسے کام کا حکم نہیں دیتا جس میں دینی یا دنیاوی کوئی بھی فائدہ نہ ہو، چاہے ایسے بے فائدہ کام کرنے والا اللہ تعالیٰ کے ولیوں میں سے انتہائی متقی، پرہیزگار

(1) منہاج السنہ (391/3)

(2) عباسی خلافت کے قیام میں ابو مسلم خراسانی کا کلیدی کردار تھا، اسی لیے انہیں صاحب الدعوہ کا لقب دیا گیا، انہوں نے عباسی خلیفہ کی بیعت کیلیے لوگوں کو تیار کیا تھا، امام طبری اپنی تاریخ میں ذکر کرتے ہیں کہ انہوں نے 6 لاکھ مسلمانوں کو باندھ کر قتل کیا تھا، معرکوں میں قتل ہونے والے لوگوں کی تعداد الگ ہے۔

(3) ابو العباس سفاح اور ابو جعفر منصور کا چچا، اہل دمشق میں سے 50 ہزار لوگوں کا قاتل۔

اور اہل جنت میں سے ہی کیوں نہ ہو "[1]

ابن القیم کہتے ہیں کہ:

"اگر کسی برائی سے روکنے کا نتیجہ موجودہ برائی سے بھی سنگین ہو، اللہ تعالی اور رسول اللہ ﷺ کے ہاں مزید برا ہو تو ایسی برائی سے روکنا جائز نہیں، چاہے اس برائی میں ملوث لوگوں کو اللہ تعالی سخت ناپسند فرماتا ہو، چنانچہ بادشاہوں اور حکمرانوں کے خلاف بغاوت اس کی مثال ہے؛ کیونکہ بغاوت روزِ قیامت تک کے لیے برائیوں کی جڑ ہے، رسول اللہ ﷺ سے صحابہ کرام نے ایسے حکمرانوں کے خلاف ہتھیار اٹھانے کی اجازت چاہی تھی جو نماز کو وقت پر ادا نہیں کرتے، صحابہ کرام نے کہا تھا: اللہ کے رسول! ہم ان سے جنگ نہ کریں؟ تو آپ ﷺ نے فرمایا: (نہیں، جب تک وہ نمازیں پڑھتے رہیں) اور پھر یہ بھی فرمایا: (جس شخص کو اپنے امیر میں کوئی برائی نظر آئے تو وہ اس پر صبر کرے اور اس کی اطاعت سے اپنا ہاتھ مت کھینچے)

اسلام میں رونما ہونے والے بڑے اور چھوٹے فتنوں کا باریک بینی سے جائزہ لینے والے کے لیے یہی آشکار ہوگا کہ ان تمام کا سبب اسی حدیث کی مخالفت ہے، کہ برائی دیکھ کر صبر نہ کریں اور اس کے خاتمے کے لیے نکل پڑیں، جس سے پہلے سے بڑی برائی پیدا ہو جائے" [2]

اسی طرح شیخ البانی کہتے ہیں:

"حکمران کے خلاف بغاوت میں بہت زیادہ خرابیاں ہیں اس پر شرعی نصوص کی بھرمار ہے نیز نو عمر چھوکروں کے کرتوتوں سے رونما ہونے والے تاریخی

---

(1) منہاج السنہ (529/4)
(2) اعلام الموقعین (15/3)

واقعات بھی اس کے شاہد عدل ہیں۔"[1]

اس فصل میں ہم ماضی اور حال میں رونما ہونے والی خارجی تحریکوں کے بارے میں مختصر بیان کریں گے تاکہ ان کی تاریخ سے ہمیں عبرت حاصل ہو اور اللہ تعالی کا قانون فطرت ہمارے سامنے واضح ہو جس سے قانونِ شریعت کی تائید ہوتی ہے۔

اس کی وجہ یہ ہے کہ قرآن مجید ہمیں ماضی کی اقوام سے سیکھنے کا درس دیتا ہے، فرمانِ باری تعالی ہے:

﴿لَقَدْ كَانَ فِيْ قَصَصِهِمْ عِبْرَةٌ لِّاُولِي الْاَلْبَابِ ۭ مَا كَانَ حَدِيْثًا يُّفْتَرٰى وَلٰكِنْ تَصْدِيْقَ الَّذِيْ بَيْنَ يَدَيْهِ وَتَفْصِيْلَ كُلِّ شَيْءٍ وَّهُدًى وَّرَحْمَةً لِّقَوْمٍ يُّؤْمِنُوْنَ ﴾[یوسف:111]

"ان قصوں میں اہل عقل و خرد کے لئے (کافی سامان) عبرت ہے۔ یہ قرآن کوئی ایسی باتیں نہیں جو گھڑ لی گئی ہوں بلکہ یہ تو اپنے سے پہلی کتابوں کی تصدیق کرتی ہے۔ اس میں ہر بات کی تفصیل موجود ہے اور ایمان لانے والوں کے لئے ہدایت اور رحمت ہے۔"

اسی طرح فرمایا:

﴿وَكُلًّا نَّقُصُّ عَلَيْكَ مِنْ اَنْۢبَاۗءِ الرُّسُلِ مَا نُثَبِّتُ بِهٖ فُؤَادَكَ ۚ وَجَاۗءَكَ فِيْ هٰذِهِ الْحَقُّ وَمَوْعِظَةٌ وَّذِكْرٰى لِلْمُؤْمِنِيْنَ ﴾[هود:120]

"اور ہم رسولوں کے حالات کی ایک ایک خبر آپ سے اس لیے بیان کرتے ہیں کہ اس کے ذریعہ آپ کے دل کو مضبوط کر دیں اور ان خبروں کے ذریعہ آپ تک حق بات پہنچی اور ایمان لانے والوں کے لئے نصیحت اور یاد دہانی بھی ہو گئی۔"

---

(1) مدارک السیاسہ الشرعیہ از شیخ عبد المالک جزائری(204)، انہوں نے شیخ البانی کی یہ بات آڈیو کیسٹ سے نقل کی ہے۔

نیز ان شاء اللہ قارئین کرام کے لیے یہ بھی واضح اور عیاں ہو جائے گا کہ ان تمام تحریکوں کے اصول بہت زیادہ ایک دوسرے سے ملتے جلتے ہیں۔

یہاں یہ بات واضح رہے کہ ان واقعات کو ذکر کرتے ہوئے اس بات کا خیال نہیں رکھا جائے گا کہ جن کے خلاف بغاوت کی گئی تھی کیا وہ کافر ہو گیا تھا یا نہیں؛ کیونکہ جس طرح پہلے بھی گزر چکا ہے کہ اگر وہ کافر نہیں تھا تو اس کے خلاف بغاوت ہی حرام ہے۔

اگر کافر تھا تو عدم استطاعت کی بنا پر بھی بغاوت کرنا جائز نہیں تھا بلکہ حرام ہے؛ کیونکہ اس سے مسلمانوں کا خون بہتا ہے اور انہیں تنگی کا سامنا کرنا پڑتا ہے، ظالموں اور سفاکوں کو مسلمانوں کی جان، مال اور عزت آبرو سے کھیلنے کا موقع ملتا ہے، اسی لیے ہم نے پہلے ہی حکمران کے خلاف بغاوت کی شرائط ذکر کر دی ہیں۔

❀❀❀❀

پہلی فصل:

ماضی کی خارجی تحریکیں (1)

پہلا مبحث

سیّدنا عثمان رضی اللہ عنہ کے خلاف بغاوت (24ہجری)

اس بغاوت کی ابتدا اس وقت ہوئی جب کوفہ میں کچھ لوگ عراق وغیرہ کے علاقائی گورنروں پر زبان درازی کرنے لگے تھے، انہوں نے اسے امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کا لبادہ پہنایا ہوا تھا۔

اس صورت حال کے متعدد اسباب میں سے کچھ یہ ہیں:

مال و دولت کی کھلی تقسیم، عہدِ عثمانی کی خوشحال زندگی، قبائلی تعصب اور گروہ بندی نے اس میں اپنا واضح کردار ادا کیا، اسی طرح کچھ شر پسند عناصر اسلام میں داخل ہوئے ان کے ظاہری طور پر اسلام قبول کرنے کا مقصد ہی یہی تھا کہ اسلام کی جڑیں کھوکھلی کردی جائیں، مثلاً: عبداللہ بن سبا یہودی نے ظاہری طور پر اسلام قبول کیا اور پھر مسلمانوں میں تفریق اور انتشار پھیلانے کے لیے کینہ پروری اور مسلمانوں کے دلوں میں باہمی بغض پیدا کرنے کی سر توڑ کوششیں کیں۔

یہ شر پسند عناصر عراق کے گورنر کو معزول کروا کر سعید بن العاص کو وہاں کا گورنر مقرر کروانے میں کامیاب ہو گئے، پھر معاملات یہاں تک نہیں رکے بلکہ خلیفہ وقت اور حکومت کے متعلق لوگوں کے دلوں میں منفی تاثر پیدا کرنا شروع کر دیا، کیونکہ سعید بن

---

(1) ان تمام تحریکوں کے احوال معتمد تاریخی کتب سے لیے گئے ہیں، مثلاً: تاریخ طبری، الکامل از ابن اثیر، البدایہ والنھایہ از ابن کثیر اور دیگر کتب سے بھی مدد لی گئی ہے، میں نے یہاں ذکر کرتے ہوئے اپنا اسلوب اپنایا ہے، تاہم جو چیزیں بطورِ نص ذکر ہوں گی ان کا حوالہ ذکر کر دیا جائے گا۔

العاص نے انہیں اپنی مجلس سے دور رکھااور اہل علم وفضل لوگوں کو اپنے ہاں جگہ دی، لیکن یہ شر پسند عناصر دیگر علاقوں میں بھی اپنے ہمنوا بنانے میں کامیاب ہو گئے اور ان کے درمیاں خفیہ روابط مضبوط ہوتے چلے گئے۔

سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ نے ان کی اصلاح کے لیے کافی کوششیں کیں چنانچہ آپ نے انہیں سیدنا معاویہ کی جانب شام بھیج دیا، معاویہ نے ان کے ساتھ کئی لمبی مجلسیں رکھیں اور یہ واضح ہو گیا یہ محض فتنہ پرور اور شر انگیز لوگ ہیں، انہیں قبائلی تعصب اور کرسی کی لالچ ہی ان اقدامات پر ابھار رہی ہے۔

پھر عثمان رضی اللہ عنہ نے انہیں دوبارہ کوفہ ارسال کر دیا اس کے لیے انہیں عبدالرحمن بن خالد بن ولید کے پاس حمص میں بھیجا، انہوں نے ان کی خوب خبر لی اور آخر کار ظاہری طور پر اپنے نظریات سے توبہ کر لی۔

ان لوگوں نے سیدنا عثمان کے بارے میں افواہیں اور جھوٹی باتیں پھیلانے کی کافی کوششیں کیں، اس پر انہوں نے اپنے مذموم مقاصد پانے کے لیے کوئی بھی موقع ہاتھ سے نہیں جانا دیا کہ کسی طرح سے مسلمانوں میں انتشار اور بے چینی پھیل جائے۔

پھر 35 ہجری میں ان لوگوں نے عبداللہ بن سبا یہودی کی قیادت میں مختلف لوگوں کو خطوط لکھے کہ حجاج کی شکل اپنا کر مدینہ منورہ میں عثمان کے پاس اکٹھے ہوں، اور اس کے لیے صحابہ کی بڑی تعداد حج کے لیے جاتی ہے ان کے قافلوں کو استعمال کریں۔

وہ عثمان رضی اللہ عنہ کے پاس جمع ہو گئے اور آپ نے ان کے تمام اشکالات اور ذہنی تناؤ کا باعث بننے والے امور کا تشفی بخش جواب دیا، اور مسلمانوں کو خون خرابے سے بچانے کے لیے ان کے کچھ مطالبے بھی مان لیے، اس طرح وہ سیدنا عثمان پر اپنا دباؤ ڈالنے میں کامیاب ہو گئے۔

پھر جس وقت وہ اپنے اپنے علاقوں میں جا رہے تھے تو عثمان رضی اللہ عنہ کی جانب منسوب جھوٹے خط تیار کئے اور ان میں لکھ دیا کہ عثمان ہر علاقے کے گورنر کو ان کے پہنچنے پر قتل

کرنے کا حکم دے رہے ہیں، تو اس پر یہ لوگ دوبارہ سے مدینہ کی جانب روانہ ہو گئے، داخلی طور پر تو یہ ان کا پہلے سے طے شدہ ایجنڈا تھا، لیکن ظاہری طور پر انہوں نے جھوٹے خطوط کو بنیاد بنایا۔

مدینہ آکر انہوں نے سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کے گھر کا محاصرہ کر لیا، دوسری جانب سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ نے ان تمام لوگوں کو سختی سے تاکید کی ہوئی تھی جو سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کو اپنا خلیفہ مانتے ہیں کہ ان لوگوں کے خلاف کوئی ہتھیار نہیں اٹھانا۔

پھر آخر کار ان لوگوں نے عثمان کو قتل کر دیا، آپ کو ظالمانہ انداز میں شہید کیا گیا، انہوں نے بیت المال لوٹ لیا اور یہاں سے پھر انتشار اور بے چینی پیدا ہونے لگی، یہ اسلام میں رونما ہونے والی پہلی مسلح بغاوت تھی۔

اس فتنے کے نتائج

1۔ اس وقت امت کی افضل ترین شخصیت صحابی رسول، خلیفہ راشد، عشرہ مبشرہ میں شامل رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے دہرے داماد کا خون بہایا گیا، اس فتنے کی سنگینی کے لیے یہی ایک خرابی کافی ہے۔

2۔ مسلمانوں میں فتنے پھوٹ پڑے، انتشار اور وحدت امت میں نقب زنی ہوئی، جس کی وجہ سے بعد میں کئی جنگیں ہوئیں، جیسے کہ سیدنا علی اور اہل شام کے درمیان لڑائیاں ہوئیں، اس کی وجہ سے بہت سی معصوم اور بے گناہ جانیں ضائع ہوئیں جن کی تعداد 70 ہزار مسلمانوں سے بھی زیادہ بتلائی جاتی ہے، ان میں افضل ترین صحابہ کرام جیسے کہ زبیر بن عوام، طلحہ بن عبید اللہ اور عمار بن یاسر جیسے دیگر جلیل القدر افراد شامل ہیں۔

3۔ اس کے بعد خارجی رونما ہوئے اور ان کے رونما ہونے کی پہلی سیڑھی یہی فتنہ تھا۔

اس تمام سے واضح ہو گیا کہ اس تحریک کے افراد کی جانب سے جو مقاصد رکھے گئے تھے وہ تو انہیں نہ مل سکے البتہ پہلے سے زیادہ حالات سنگین اور خراب ہوتے چلے گئے۔

دوسرا مبحث:

38ہجری میں رونما ہونے والے خارجی

جنگ صفین کے دوران خارجیوں کی ابتدا ہوئی، صفین کی جنگ سیدنا علی اور اہل شام کے درمیان تھی، وہ اس طرح کہ اہل شام نے سیدنا علی کو تجویز دی کہ دو آدمیوں کو ثالثی بنا دیں، ایک شخص آپ کی نمائندگی کرے اور دوسرا شخص اہل شام کی نمائندگی کرے، یہ دونوں شخص اختلاف کی گہرائی تک سوچ وبچار کریں؛ تاکہ مسلمانوں میں مزید خون خرابہ نہ ہو، تو یہ تجویز سیدنا علی نے قبول کرلی، اس پر یہ خارجی لوگ سیدنا علی کے لشکر سے جدا ہوگئے حالانکہ وہ اس سے پہلے اہل شام کے خلاف لڑنے کے لیے آپ کے ساتھ ہی تھے، یہ لوگ ثالثی کے عمل کو کتاب اللہ سے متصادم قرار دیتے ہوئے کہنے لگے:

﴿إِنِ الْحُكْمُ إِلَّا لِلَّهِ﴾ [الأنعام: 57]

"فیصلہ تو اللہ کے احکام کے مطابق ہونا چاہیے"

[یہ ثالثی والا معاملہ کہاں سے آیا]، اس پر سیدنا علی نے انہیں سمجھایا کہ اللہ کے احکام تو قرآن مجید میں لکھے ہوئے ہیں اور اس کا نفاذ تو لوگوں نے کرنا ہے۔

پھر ثالثی کے عمل کو آگے بڑھانے کے لیے وقت مقرر ہو گیا اور علی اپنے ساتھیوں کو لیکر کوفہ کی جانب روانہ ہوگئے، اس پر خارجیوں کا یہ گروہ علی سے الگ تھلگ ہو گیا اور اپنا ایک الگ امیر بنالیا، یہ امت اسلامیہ میں پڑنے والی پہلی پھوٹ تھی۔

اس پر سیدنا علی نے سیدنا ابن عباس کو ان سے بات چیت کے لیے روانہ کیا، ابن عباس نے ان کے پاس جاکر ان کو سمجھایا اور ان کے ذہن میں اٹھنے والے سوالات کے جواب دیئے جس کی وجہ سے بہت سے خارجی فکر سے توبہ تائب ہو گئے، جبکہ کافی تعداد پھر بھی اپنے نظریات پر قائم رہی، پھر سیدنا علی بنفس نفیس ان کے پاس گئے اور ان کی غلط فہمی کی نشاندہی

کی اور سمجھایا کہ میں نے لوگوں کو قرآن کے مقابلے میں ثالثی نہیں بنایا بلکہ انہیں قرآن مجید کے مطابق ثالثی کرنے کا حکم دیا ہے، چنانچہ اگر وہ قرآن مجید کے مطابق فیصلہ کرتے ہیں تو ہم اسے قبول کریں گے اور اگر وہ فیصلہ صحیح نہیں کرتے قرآن مجید سے متصادم کسی بھی فیصلے کا کوئی اعتبار نہیں، سیدنا علی نے ان سے لوگوں کے ساتھ مل کر چلنے کا مطالبہ کیا تو وہ بادل نخواستہ لوگوں کے ساتھ گھل مل گئے۔

پھر جب ثالثی کے عمل کا وقت قریب آیا تو انہوں نے سیدنا علی سے مطالبہ کیا کہ ابو موسی اشعری کو ثالثی کی مجلس میں مت بھیجیں، ان کے اس مطالبے کو سیدنا علی نے یہ کہتے ہوئے مسترد کر دیا کہ میرا اہل شام کے ساتھ وعدہ ہو چکا ہے، اس پر انہوں نے پھر اپنی وہی پہلی بات رٹنا شروع کر دی جو ہر وقت ان کی زبانوں پر ہوتی ہے کہ :

﴿إِنِ الْحُكْمُ إِلَّا لِلَّهِ﴾ [الأنعام: 57]

توان کے اس آیت کو بار بار دہرانے پر سیدنا علی نے فرمایا:

"یہ بات تو حق ہے لیکن اس سے باطل چیز مقصود ہے"۔

یہ سن کر وہ لوگ کوفہ سے نکلے اور بصرہ میں اپنے ساتھیوں سے رابطہ کیا اور نہروان پر جمع ہونے پر اتفاق کر لیا اور اپنا امیر عبداللہ بن وہب راسبی کو بنا کر ملت اسلامیہ سے بالکل الگ تھلگ ہو گئے۔

چونکہ پہلے سے رونما فتنے کے خاتمے کے لیے ثالثی کی مجلس منعقد ہی نہیں ہوئی تو علی نے چاہا کہ اہل شام کے پاس جا کر انہیں اطاعت گزاری پر آمادہ کریں، لیکن ادھر ان جاہل خارجیوں نے قتل وغارت شروع کر دیا اور عبداللہ بن خباب کو قتل کر دیا، نیز ان کی لونڈی امید سے تھیں تو ان کا پیٹ چاک کر کے حمل گرا دیا، تو ایسے حالات میں سیدنا علی نے اپنے لشکر کا رخ خارجیوں کی جانب کر دیا، آپ نے ان سے ابن خباب کے قاتلوں کو حوالے کرنے کا مطالبہ کیا تو انہوں نے جواب دیا: ہم سب نے انہیں قتل کیا ہے!

اس پر علی نے انہیں توبہ اور اطاعت گزاری میں آنے کی دعوت دی؛ لیکن انہوں نے انکار کر دیا بلکہ ثالثی کے عمل کو درست سمجھنے والوں کو کافر بھی قرار دے دیا۔

جب معاملہ اس حد تک بگڑ گیا تو علی نے اپنے لشکر کو ان سے جنگ کرنے کی ترغیب دلائی اور ان کے سامنے نبی ﷺ کی احادیث پڑھ پڑھ کر سنائیں اور رسول اللہ ﷺ نے خارجیوں سے لڑنے کے بدلے میں جو اجر و ثواب بتلایا تھا وہ بھی ان کے سامنے بیان کیا: مثال کے طور پر: (اگر ان [خارجیوں] کو قتل کرنے والے لوگ اللہ تعالی کے ہاں ملنے والا اجر جان لیں تو عمل کرنا ہی چھوڑ دیں)

پھر اس کے بعد نہروان کا مشہور معرکہ شروع ہوا، اس میں علی کو فتح ملی اور کچھ ہی دیر میں سب کے سب خارجیوں کا صفایا کر دیا ان میں سے دس بھی باقی نہیں رہے، اسی طرح سیدنا علی کے لشکر میں سے دس افراد بھی قتل نہیں ہوئے تھے۔

اس کے بعد سیدنا علی نے لوگوں کو حکم دیا کہ مقتولین میں عورت کے پستان جیسے بازو والا شخص تلاش کرو، آپ کے سپاہیوں نے اسے مقتولین میں ڈھونڈ نکالا تو علی اللہ تعالی کے سامنے سجدہ شکر میں گر پڑے۔

ان خارجیوں میں سے باقیماندہ لوگ اس واقعے کے بعد روپوش ہو گئے، یہاں تک کہ عبدالرحمن بن ملجم نے علی کو نماز فجر کے لیے جاتے ہوئے قتل کر دیا۔

اس فتنے کے نتائج

1۔ خارجیوں کے سیدنا علی سے الگ ہونے کی بنا پر مسلمان مزید گروہوں میں بٹ گئے۔

2۔ مسلمانوں کا خون بہا، امت میں مسلح بغاوت ہوئی اور خارجیوں کے متعلق رسول اللہ ﷺ کا یہ فرمان صادق آیا: (وہ اہل اسلام کو قتل کریں گے اور بت پرستوں کو چھوڑیں گے)

3۔ غلط نظریات کی بنا پر بغاوت ہوئی، مثلاً: مسلمانوں کو کافر قرار دینا، اور دینی ائمہ کرام پر

طعن و تشنیع کی گئی۔

4۔ جاہل عوام ان خارجیوں کے نظریات بڑی جلدی قبول کرنے لگے، چنانچہ وقتاً فوقتاً ان کا ظہور ہونے لگا، مثلاً: نجدات، اباضی، صفری فرقے کی شکل میں اور دیگر جگہوں پر خارجی فکر رونما ہونے لگی، انہوں نے مسلمانوں کو تباہی کے دہانے پر پہنچا دیا، خارجیوں نے عراق، خراسان، افریقا، یمن اور جزیرہ عرب میں قتل کے نت نئے طریقے متعارف کروائے، اور یہ دجال کے رونما ہونے تک سامنے آتے رہیں گے۔

5۔ اس وقت امت کی بہترین اور افضل ترین شخصیت کا قتل ہوا اور وہ تھی سیدنا علی کی شخصیت۔

❀❀❀❀

تیسرا مبحث:

63ہجری میں اہل مدینہ کا یزید بن معاویہ کے خلاف خروج

سیدنا معاویہ 60ہجری میں فوت ہوگئے،ان کے بعد ان کے بیٹے یزید کی بیعت کی گئی، ان کی بیعت میں تمام اہل حل و عقد شامل تھے، جن میں ابن عباس،ابن عمر، نعمان بن بشیر اور دیگر جلیل القدر صحابہ کرام بھی شامل تھے۔

یزید کے خلیفہ بننے کی وجہ سے کچھ اختلافات پیدا ہوئے چنانچہ چند لوگوں نے ان کی بیعت نہیں کی، حالات کچھ خراب ہونے کے بعد دوبارہ معمول پر آ گئے۔

اہل مدینہ میں سے متعدد افراد نے یزید بن معاویہ کے ہاتھ پر بیعت کی اور اہل مدینہ کی با اثر شخصیات پر مشتمل ایک گروپ یزید بن معاویہ کے پاس گیا، جس پر یزید نے ان کی خوب آؤ بھگت کی اور عزت افزائی کی جس پر انہوں نے یزید کی بیعت کر لی، پھر یہ گروپ مدینہ واپس لوٹ آیا، لیکن جس وقت مدینہ میں داخل ہوئے تو یزید کی بیعت توڑ دی اور یزید کی بیعت ختم کر کے حنظلہ غسیل الملائکہ کے بیٹے عبداللہ کی بیعت کر لی۔

اس پر سیدنا نعمان بن بشیر لوگوں کو پہلے سے موجود اجتماعی بیعت کو توڑنے سے خبر دار کرتے رہے،انہوں نے لوگوں کو فتنے سے خبر دار کیااور سمع و طاعت پر قائم رہنے کا حکم دیا، یہی کام عبداللہ بن عمر نے بھی کیا، جیسے کہ صحیح مسلم میں نافع کہتے ہیں: "ابن عمر یزید بن معاویہ کے دور حکومت میں رونما ہونے والے واقعہ حرہ کے وقت عبداللہ بن مطیع کے پاس آئے تو ابن مطیع نے کہاابو عبدالرحمن [ابن عمر کی کنیت] کے لیے تکیہ رکھو، توابن عمر نے کہامیں آپ کے پاس بیٹھنے کے لیے نہیں آیامیں تو آپ کے پاس اس لئے آیاہوں کہ آپ کو ایک حدیث بیان کروں یہ حدیث میں نے رسول اللہ ﷺ سے سنی ہے، آپ ﷺ نے فرمایا: (جس نے اطاعتِ امیر سے ہاتھ کھینچ لیا تو وہ قیامت کے دن اللہ سے اس حال میں

ملاقات کرے گا کہ اس کے پاس [عذر کے لیے] کوئی حجت نہ ہوگی اور جو اس حال میں مرا کہ اس کی گردن میں کسی کی بیعت نہ تھی تو وہ جاہلیت کی موت مرا"[1]

اس دوران سعید بن مسیب، علی بن حسین زین العابدین اور دیگر اہل علم نے لوگوں کو سمجھایا، اس فتنے سے روکنے کی کوشش کی لیکن کوئی فائدہ نہیں ہوا، چنانچہ انقلاب کے حامی اپنے ہدف کی جانب بڑھتے گئے اور مدینہ منورہ کے گورنر پر حملہ کر دیا، بنی امیہ کا محاصرہ کر لیا گیا اور حالات بہت سنگین حد تک بگڑ گئے۔

اس پر یزید بن معاویہ نے مدینہ کی جانب مسلم بن عقبہ[2] کی قیادت میں ایک لشکر روانہ کیا اور نصیحت کی کہ: "انقلابیوں کو تین بار رجوع کا موقع دینا، اگر وہ اطاعت گزاری میں واپس آنا چاہیں تو اس کا خیر مقدم کرنا اور ہتھیار مت اٹھانا، بصورتِ دیگر اللہ سے مدد مانگتے ہوئے ان سے جنگ کرنا"

اس پر مسلم بن عقبہ لشکر لیکر روانہ ہوا اور مدینے کا محاصرہ کر لیا، اس نے لوگوں کو اطاعت گزاری میں آنے کی دعوت دی؛ لیکن انقلاب کے حامی نہ مانے، پھر تین دن کا انتظار کرنے کے بعد عقبہ نے مدینے پر حملہ کر دیا جس پر انقلاب کے حامیوں کو شکست ہوئی اور انہیں قتل کر دیا گیا، تین دن تک نبی ﷺ کے شہر میں قتل وغارت کا بازار گرم رہا، حکومت وقت کے فوجی اسلحہ، مال ودولت جو چیز بھی ان کے ہاتھ میں آتی اسے لے اڑتے تھے، بہت زیادہ خونریزی ہوئی، اللہ تعالی کی جانب سے مقرر کردہ چیزوں کی حرمت پامال کی گئی اور اس طرح یہ فتنہ اپنے انجام کو پہنچا۔

اس فتنے کے نتائج

1۔ اس لڑائی اور فتنے میں بہت زیادہ معصوم جانیں ضائع ہوئیں، چنانچہ اس وقت سات سو

---

(1) مسلم: (1851)

(2) اہل سنت اسے مسلم بن عقبہ کی بجائے مسرف بن عقبہ کہتے ہیں کیونکہ اس نے اہل مدینہ کے ساتھ بہت برا سلوک کیا تھا۔

سے زائد مہاجرین اور انصار پر مشتمل معزز اور نامور شخصیات اس فتنے کی نظر ہوئیں، ان کے علاوہ لوگوں کی تعداد دس ہزار سے زائد تھی۔

2۔ نبی ﷺ کے شہر اور دار ہجرت کی حرمت پامال کی گئی، مال و دولت لوٹے گئے، اور یہاں کا امن وامان سبوتاژ ہوا۔

3۔ مسلمانوں کے اتحاد کو گزند پہنچی، اسلامی سلطنت میں فتنے رونما ہوئے جس سے دعوت وجہاد کے عمل میں رکاوٹیں کھڑی ہو گئیں۔

❀❀❀❀

چوتھا مبحث:

ابن اشعث کا خروج 81 ہجری

جس وقت حجاج بن یوسف ثقفی عراق کا گورنر تھا اس وقت سن 81 ہجری میں عبدالرحمن بن محمد بن اشعث کی قیادت میں بہت بڑا لشکر بھیجا، یہ لشکر ترکی بادشاہ "رتبیل" کی سرکوبی کے لیے روانہ کیا گیا، اس کی وجہ یہ بنی تھی کہ مسلمانوں نے اس کے علاقے پر چڑھائی کی اور اس کی خوب درگت بنائی لیکن بعد میں رتبیل شاہ مسلمانوں کے لشکر کو پہاڑیوں کے درمیان محصور کرنے میں کامیاب ہو گیا اور اس نے تقریباً 30 ہزار مسلمان فوجیوں کو قتل کر دیا۔

ابن اشعث کی قیادت میں تیار ہونے والے لشکر کو حجاج نے خوب مال و دولت سے نوازا، ان پر بیت المال کے دروازے کھول دیئے، اسی وجہ سے اس لشکر کو "موروں کا لشکر" کہا جاتا ہے کیونکہ یہ بڑا چہیتا لشکر تھا، اس میں فوجیوں کی تعداد ایک لاکھ بیس ہزار تھی۔

حجاج نے انہیں حکم دیا تھا کہ تمہاری واپسی رتبیل شاہ کی سرکوبی کے بعد ہی ہونی چاہیے۔

اس پر ابن اشعث اپنے لاؤ لشکر کو لیکر رتبیل کی سرکوبی کے لیے روانہ ہوا، اس لشکر میں عراق کے اہل علم، علمائے کرام اور بڑی بڑی نامور شخصیات تھیں۔

ابن اشعث نے رتبیل کے علاقوں کو فتح کرنا شروع کیا اور یکے بعد دیگرے علاقے فتح کرتے ہوئے اس کی حکمرانی کو خطرے میں ڈال دیا، یہاں تک کہ موسم سرما شروع ہونے لگا، اس پر ابن اشعث نے اپنے ساتھیوں اور مشیروں سے مشورہ کیا کہ کچھ دیر کے لیے جنگ موقوف کر دیتے ہیں اور اس دوران مفتوحہ علاقوں کی دیکھ بھال بھی ہو جائے گی اور حالات کنڑول میں آجائیں گے، اس پر تمام نے ابن اشعث کے مشورے کی تائید کی، تو انہوں نے حجاج

بن یوسف کی جانب اپنے عزم کے متعلق مراسلہ بھجوادیا۔

چونکہ حجاج اور ابن اشعث کے درمیان پہلے بھی اختلافات تھے؛ پھر اوپر سے ابن اشعث کا مراسلہ حجاج کے فرامین سے متصادم بھی تھا تو مراسلہ دیکھتے ہی حجاج سیخ پا ہو گیا؛ کہ ابن اشعث نے رتبیل شاہ کی سرکوبی تک اپنے مشن کو جاری کیوں نہیں رکھا؟ اس مراسلے کے جواب میں حجاج نے انتہائی سخت الفاظ میں خط لکھا اور اس میں ابن اشعث کو سخت سست، بزدل، اور کمزور لکھنے کے بعد رتبیل شاہ کی سرکوبی کے مشن کو جاری رکھنے کے احکامات دوبارہ جاری کئے۔

جب حجاج کا جوابی خط ابن اشعث کو موصول ہوا تو انہوں نے اپنے تمام ساتھیوں کو جمع کر کے حجاج کی تحریر دکھائی پھر انہیں سابقہ مشورہ یاد کروایا جس میں سب کے سب جنگ روک کر مفتوحہ علاقوں کی دیکھ بھال کے لیے متفق ہوئے تھے اس کے بعد حجاج کے حکم کو بیوقوفانہ قرار دیا۔ یہ باتیں سن کر سب نے بیک زبان کہا: "اللہ کے دشمن حجاج کی نہ کسی بات پر کان دھرتے ہیں اور نہ ہی اس کی اطاعت کریں گے" پھر انہی میں سے ایک شخص نے کھڑے ہو کر حجاج کی مذمت کرنا شروع کر دی اور ایک ایک کر کے اس کی برائیاں گنوانے لگا، اس کے بعد حجاج کی بیعت توڑنے کی دعوت دی اور اس پر لوگوں نے حجاج کی بیعت توڑ کر ابن اشعث کے ہاتھ پر بیعت کر لی اور اسے اپنا حاکم تصور کر لیا۔

اس پورے واقعے کے بعد ابن اشعث نے ترکوں کے شاہ رتبیل کو صلح صفائی کے لیے مراسلہ بھیجا[1] تاکہ اپنی ایک جانب محفوظ کر کے حجاج سے لڑائی کے لیے تیاری کر سکے، شاہ رتبیل نے ابن اشعث کی یہ پیشکش قبول کی اور ابن اشعث اپنے "موروں کے لشکر" کو لے کر مسلمانوں سے جنگ کے لیے عراق کی جانب واپس ہو لیا، ابھی یہ لوگ راستے میں ہی تھے تو کچھ لوگوں نے کہا کہ حجاج کی بیعت توڑنے کا صاف مطلب یہ ہے کہ عبدالملک بن مروان کی

(1) یہ تاریخ میں اولین غداری اور فتنے کا اولین نتیجہ تھا۔

بھی بیعت توڑی جائے؛ کیونکہ حجاج تو اسی کا گورنر ہے، اس پر انہوں نے عبد الملک بن مروان کی بیعت بھی توڑ دی۔

اسی دوران ابن اشعث نے خراسان کے گورنر مہلب بن ابو صفرہ کو بھی اپنے ساتھ ملانے کی کوشش کی، لیکن مہلب نے صاف انکار کر دیا اور بلکہ ابن اشعث کو ایسا کرنے سے باز رہنے کی تلقین کی؛ کیونکہ اس سے مسلمانوں میں تفریق پیدا ہو گی اور مسلمان ہی کمزور ہوں گے۔

پھر جب ابن اشعث عراق پہنچا تو بہت سے لوگوں نے ابن اشعث کے ہاتھ پر بیعت کر لی، اس کے بعد ابن اشعث کی حجاج کے خلاف کامیابیوں کا سلسلہ جاری ہو گیا، یہاں تک کہ بصرہ میں داخل ہو کر لوگوں کو اپنے ساتھ ملا لیا اور لوگوں نے حجاج کے ساتھ عبد الملک بن مروان کی بیعت بھی توڑ دی، ان میں بصرہ کے فقہائے کرام، قراء، جوان اور بوڑھوں سمیت وہاں کی اکثریت ابن اشعث کے ساتھ ہو گئی۔

اس پر حسن بصری لوگوں کو اس فتنے سے باز رہنے کے لیے سمجھاتے رہے انہیں ملتِ اسلامیہ کا التزام رکھنے سے متعلق اللہ تعالی کے احکامات یاد دلائے، حجاج کے ظلم و ستم پر صبر کرنے کی تلقین کی، چنانچہ انہوں نے اپنے ایک وعظ میں یہ بھی کہا کہ :

"حجاج تو اللہ کا عذاب ہے، اللہ کے عذاب کو اپنے ہاتھوں سے کیوں روکتے ہو؟ اللہ کے عذاب کو ٹالنے کے لیے اللہ کے سامنے ہی گریہ وزاری کے ساتھ دعا کرو؛ کیونکہ اللہ تعالی نے عذاب ٹالنے کا نسخہ بتلاتے ہوئے فرمایا:

﴿وَلَقَدْ اَخَذْنٰهُمْ بِالْعَذَابِ فَمَا اسْتَكَانُوْا لِرَبِّهِمْ وَمَا يَتَضَرَّعُوْنَ ۝﴾

[المؤمنون:76]

''اور البتہ تحقیق ہم نے انہیں عذاب میں جکڑ دیا تو وہ اپنے رب کے سامنے جھکے اور نہ ہی گڑ گڑائے۔''

اسی طرح مجاہد بن جبر اور دیگر اہل علم بھی لوگوں کو اس فتنے سے دور رہنے کے لیے تلقین کرتے رہے، انہیں اجتماعیت قائم رکھنے کی ترغیب دیتے رہے، لیکن عراق کی اکثریت نے ان کے پند و نصائح پر کان نہیں دھرا، اور اس فتنے میں شریک ہو گئے۔

ابن اشعث کو کوفہ میں داخل ہونے کا بھی موقع ملا گیا اور اکثر اہل کوفہ نے اس کی بیعت کر لی، چنانچہ ابن اشعث کے پیچھے لگنے والے بڑھتے چلے گئے اور حالات مزید بگڑتے گئے۔

ابن اشعث حجاج کے فوجیوں کو تسلسل سے پچھاڑتا رہا، جس وقت بھی حجاج کے فوجیوں سے ٹکراؤ ہوتا تو جیت ابن اشعث کی ہوتی، حتی کہ ابن اشعث کو 80 سے زائد معرکوں میں کامیابی حاصل ہوئی۔

عبدالملک بن مروان نے اس فتنے کو ختم کرنے کے لیے ذاتی دلچسپی بھی لی اور ابن اشعث کے سامنے یہ تجویز بھی پیش کی کہ حجاج کو عراق کی گورنری سے دستبردار کر جائے گا اور ابن اشعث کو اس کے مفتوحہ علاقوں پر گورنر بنا دیا جائے گا، لیکن ابن اشعث اور ان کے ساتھی اس تجویز پر متفق نہ ہوئے۔

اس کے بعد حجاج نے تاک کر اہل علم اور قرّائے کرام کی بٹالین پر حملے کرنے شروع کئے ؛ حجاج کو معلوم تھا کہ ابن اشعث کے فوجیوں میں جوش، جذبہ اور ولولہ پیدا کرنے کے لیے اسی بٹالین کا بنیادی کردار ہے، حجاج اپنی فراست کی بنا پر اس بٹالین کو توڑنے میں کامیاب ہو گیا اور ابن اشعث کے فوجیوں کے حوصلے ٹوٹ گئے اور تتر بتر ہونا شروع ہو گئے، حتی کہ ابن اشعث نے بھاگ کر شاہ رتبیل کی امان حاصل کی۔

اس پر حجاج نے شاہ رتبیل کو دھمکی آمیز خط لکھ بھیجا کہ ابن اشعث کو میرے حوالے کر دے، شاہ رتبیل نے حجاج کا خط دیکھا اور ڈر کے مارے ابن اشعث کو حجاج کے حوالے کر دیا، تو راستے میں ابن اشعث نے اپنے آپ کو بلند محل سے گرا کر خودکشی کر لی، تو اس کا سر کاٹ کر حجاج کے پاس لے جایا گیا اور حجاج نے حکم دیا کہ اسے عراق کی گلیوں میں گھمایا جائے پھر اسے

عبد الملک بن مروان کے پاس شام بھیج دیا گیا اور وہاں بھی ابن اشعث کے سر کو گھمایا گیا۔

پھر حجاج نے اس فتنے میں شریک ہونے والے لوگوں کو چن چن کر قتل کیا اور اہل عراق میں سے بہت سے لوگوں کو ابدی نیند سلا دیا، حتی کہ جن لوگوں کو حجاج نے باندھ کر قتل کیا تھا ان کی تعداد ایک لاکھ تیس ہزار بنتی ہے، جن میں سے چار ہزار لوگ اہل علم، عبادت گزار اور بااثر شخصیات تھیں، اس طرح یہ فتنہ بھی اپنے انجام کو پہنچا۔

اس فتنے کے نتائج

1۔ مسلمانوں میں انتشار پیدا ہوا، صفوں میں کھلبلی مچی اور معاملات بگڑتے چلے گئے۔

2۔ بہت سی جانوں کا خون بہا، آبرو پامال ہوئی اور وسیع و عریض خرابیاں پیدا ہوئیں۔

3۔ حکومتی سطح پر فتوحات اور جہاد کا سلسلہ روک گیا، حالانکہ جہاد اور فتوحات حجاج کا پسندیدہ ترین مشغلہ اور خوبی تھی۔

عامر شعبی بھی اس فتنے میں ملوث ہو گئے تھے لیکن بعد میں اس پر پشیمان بھی ہوئے، پھر جب انہیں بھی حجاج کے سامنے انقلابیوں کے ساتھ پیش کیا گیا تو حجاج نے انہیں جان کی امان دے دی، حجاج فتنے میں ملوث ہونے سے پہلے بھی ان کی عزت کیا کرتا تھا، تو حجاج نے کہا: شعبی! ہمارے علاوہ دوسروں کو کیسا پایا؟ اس کے جواب میں انہوں نے کہا:

"اللہ تعالی ہمارے امیر کو صلاحیتوں سے نوازے، آپ کے بعد تو میری آنکھوں میں بے خوابی رہی، میں نے آسان امور بھی مشکل بنا لیے، آپ کو بارِ گراں سمجھا اور اپنے اوپر خوف کی تہیں جما لیں، یہاں تک کہ مجھے پریشانیوں کو بھی اچھا سمجھنا پڑا، میرے اچھے اچھے دوست مجھ سے بچھڑ گئے، لیکن اس کے باوجود اپنے امیر کی طرف سے کوئی انتقامی کاروائی نہیں دیکھی"(1)

---

(1) یہاں پر یہ دیکھیں کہ عامر شعبی نے خراب حالات میں اپنی حالت کیسی بیان کی، اور غاروں اور پہاڑوں میں چھپ چھپا کر زندگی گزرنے والے خارجیوں اور زیرِ زمین زندگی گزارنے پر مجبور لوگوں کی حالت اس وقت کیسی ہوتی ہے جو کہ لوگوں سے چھپ کر رہتے ہیں اور جمعہ یا جماعت کی نماز کیلیے بھی باہر نہیں نکلتے۔

جس وقت عامر شعبی ابن اشعث کے ساتھ بغاوت میں شریک تھے تو انہیں کہا گیا:
عامر تمہاری عقل اور علم کہاں چلے گئے ؟اس کے جواب میں انہوں نے یہ شعر پڑھ دیا:

عَوَى الذِّئْبُ فَاسْتَأْنَسْتُ بِالذِّئْبِ إِذْ عَوَى
وَصَوَّتَ إِنْسَانٌ فَكِدْتُ أَطِيْرُ

''بھیڑیا بولا تو مجھے بھیڑیے کی آواز اچھی لگی، لیکن جب انسان کی آواز آئی تو میں ہکا بکا رہ گیا!!''

ہم آزمائش میں گھر گئے اور اس آزمائش میں نہ تو کوئی اچھا کام کر سکے اور نہ ہی غلطی پر ہوتے ہوئے بغاوت میں کامیاب ہو سکے" (1)

❀❀❀❀

(1)اس واقعہ کی تخریج پہلے صفحہ (57) پر گزر چکی ہے۔

پانچواں مبحث:

یزید بن مہلب کا یزید بن عبد الملک کے خلاف انقلاب

101 ہجری

ابن مہلب کا انقلاب بھی ابن اشعث جیسا ہی تھا؛ کیونکہ یزید بن مہلب بھی خراسان کا گورنر تھا وہ اپنے والد مہلب کی حجاج کے زمانے میں وفات کے بعد یہاں کا والی مقرر ہوا، لیکن حجاج نے اس کے خوف سے اسے معزول کر دیا، پھر جب سلیمان بن عبد الملک نے زمامِ خلافت سنبھالی تو اسے عراق کا گورنر بنا دیا، پھر خراسان کا والی بنایا، اس علاقے میں ابن مہلب نے بہت سے خطے فتح کئے، پھر جب عمر بن عبد العزیز نے زمامِ خلافت سنبھالی تو انہوں نے ابن مہلب کو معزول کر دیا اور عمر بن عبد العزیز نے ان سے جمع شدہ اموال کی واپسی کا مطالبہ کیا، تو ابن مہلب نے صاف انکار کر دیا کہ ان کے پاس کچھ بھی نہیں ہے، تو اس پر عمر بن عبد العزیز نے انہیں جیل میں ڈال دیا۔

جب ابن مہلب کو علم ہوا کہ عمر بن عبد العزیز مرض الموت میں ہیں تو جیل سے راہِ فرار اختیار کی اور 101 ہجری میں عراق کا رخ کر لیا، وہاں پر لمبے محاصرے اور جھڑپوں کے بعد بصرہ پر اپنی حکومت کا اعلان کر دیا، ابن مہلب کے ہاتھ پر متعدد لوگوں نے بیعت کی اور عمر بن عبد العزیز کے بعد بننے والے خلیفہ یزید بن عبد الملک کی بیعت سے دستبرداری کا اعلان کر دیا۔

اس پر حسب سابق حسن بصری نے لوگوں کو انقلاب اور خروج سے روکا، انہیں ابن اشعث کے انقلاب کی یاد دہانی کروائی، لیکن پھر بھی بہت سے لوگوں نے ان کی ایک نہیں سنی، حسن بصری ابن مہلب کی ان کاروائیوں پر مسلسل تنقید کرتے رہے، لوگوں کو اجتماعیت پر

قائم رہنے کا حکم دیتے رہے، لیکن کسی نے حسن بصری کی بات پر عمل نہیں کیا، جس پر حسن بصری نے کہا تھا: "اللہ کی قسم! یہ لوگ سیلاب کا جھاگ(1) ہیں"

ان انقلابیوں کی بیخ کنی کے لیے یزید بن عبدالملک نے شام سے ایک لشکر روانہ کیا، اس کے مقابلے میں یزید بن مہلب ایک لاکھ بیس ہزار لوگوں کو لیکر نکلا ان سب نے ابن مہلب کے ہاتھ پر سمع وطاعت کے لیے بیعت کی ہوئی تھی۔

دونوں لشکروں میں گھمسان کی جنگ شروع ہوئی تو ابن مہلب کے بہت سے ہمنواؤں نے راہِ فرار اختیار کی، لیکن ابن مہلب نے اپنے باقی ماندہ ساتھیوں کے ساتھ جنگ جاری رکھی، یہاں تک کہ ابن مہلب کو شکست ہوئی اور ابن مہلب سمیت اس کا بھائی محمد بھی قتل ہو گیا۔

پھر خلیفہ یزید بن عبدالملک نے آل مہلب کو چن چن کر ختم کرنا شروع کیا اور تقریباً ان کا نام ہی صفحہ ہستی سے مٹا دیا۔

اس طرح یہ انقلابی تحریک بھی اپنے انجام کو پہنچی، اس بغاوت کے نتائج میں بھی کوئی خیر کی بات نہیں ملی، بلکہ اس سے اختلافات بڑھے، اتحاد سبوتاژ ہوا اور خونِ مسلم رائیگاں بہا۔

❁❁❁❁

---

(1) عربی زبان میں "سیلاب کا جھاگ اور گندگی" ان لوگوں کے بارے میں کہا جاتا ہے جو اندھادھند کسی کی بات کے پیچھے لگ جائیں، جن کی اپنی کوئی رائے نہ ہو، معاشرے میں وہ بے قدر لوگ ہوں۔

چھٹا مبحث:

126 ہجری میں اموی خلیفہ ولید بن یزید کا قتل اور عباسی خلافت کا آغاز

جس وقت اموی خلیفہ ہشام بن عبد الملک کی وفات ہوئی تو ان کے جانشین ان کا بھائی ولید بن یزید بنا، ولید بن یزید فسق وفجور اور بے حیائی میں مشہور تھا، اس نے اس قسم کی باتیں اپنی خلافت کے دوران عیاں بھی کی تھیں، لوگ اس سے نفرت کرنے لگے تھے اور اسے "فاسق" کا لقب بھی دیا گیا۔

لوگوں نے اس خلیفہ کو محض فاسق کہنے پر ہی اکتفا نہیں کیا بلکہ خلیفہ کے بھتیجے یزید بن ولید کو بھی اس نے اپنے ساتھ ملا لیا، یزید ظاہری طور پر عبادت گزار اور زاہد نظر آتا تھا، اس نے برائی کے خاتمے کے لیے خلیفہ کو قتل کرنے کا منصوبہ بنایا اور یمنی لوگوں نے اس کی حوصلہ افزائی کی۔

یزید بن ولید کے بھائی عباس بن ولید نے اپنے بھائی کو بغاوت نہ کرنے کے لیے خوب سمجھایا، لیکن وہ نہ مانا اور بہت سے لوگوں نے یزید بن ولید کے ہاتھ پر بیعت کر لی۔

آرمینیا کے گورنر مروان بن محمد نے بھی یزید بن ولید کو اس حرکت سے روکا، اور اسے صبر سے کام لینے کا کہا، لیکن اس کا کوئی فائدہ نہیں نکلا۔

خلیفہ ولید بن یزید کے دمشق سے باہر جانے کے موقع پر یزید بن ولید نے اسے غنیمت سمجھا اور دمشق پر قبضہ کر لیا، اور آخر کار خلیفہ کو قتل کرنے میں کامیاب ہو گیا اور خلیفہ کا سر تن سے جدا کر دیا، پھر خلیفہ کے سر کو علاقے بھر میں گھمایا گیا اور لوگوں نے یزید بن ولید کے ہاتھ پر بیعت کر لی۔

اس فتنے کے نتائج

1۔ اموی خلافت میں حالات سنگین حد تک خراب ہوئے، اور بہت سے لوگوں نے مقتول خلیفہ کے خون کا مطالبہ کر دیا، اسی طرح یزید بن ولید کے علاوہ بھی حکمرانی کے دعوے دار کھڑے ہو گئے، اس پر سرکاری فوج شام، عراق اور خراسان میں باغیوں کے خلاف لڑنے میں مصروف ہو گئی جس کی وجہ سے قتل وغارت کا بازار گرم ہوا اور بے چینی کے ساتھ انتشار پھیل گیا۔

2۔ اس اندرونی خلفشار کی وجہ سے اموی خلافت مزید کمزور ہو گئی؛ کیونکہ ولید بن یزید کے قتل ہونے کے بعد سات سال سے زیادہ اموی خلافت قائم نہیں رہ سکتی، چنانچہ اموی خلافت کے ختم ہونے کی وجہ سے مسلمانوں کا بہت نقصان ہوا؛ کیونکہ اموی خلافت خلفائے راشدین کے بعد سب سے مضبوط ترین خلافت اموی خلافت ہی تھی، اس میں جہاد اور دین کا بول بالا تھا۔

حافظ ابن کثیر اموی خلافت کے متعلق لکھتے ہوئے کہتے ہیں:

> "بنو امیہ میں جہاد کا علم بلند و بالا تھا، ان کا کام ہی یہی تھا، ان کے دورِ خلافت میں مشرق و مغرب، بر و بحر چہار سو اسلام کا بول بالا تھا، انہوں نے کفر اور کفار کو بیچ اور بیخ کر دیا تھا، مشرکین مسلمانوں کا نام سنتے ہی کانپنے لگتے تھے، مسلمان جس خطے کی جانب بھی رخ کرتے وہاں سے فتح یاب ہو کر واپس ہوتے، مسلمانوں کے معسکروں اور لشکروں میں علمائے کرام، اہل علم، اولیائے کرام اور تابعین عظام شامل ہوتے تھے، ہر فوجی مہم میں ان کے ساتھ ایسے لوگ ہوتے تھے جن کی دعاؤں سے اللہ تعالی مسلمانوں کو فتح یاب فرماتا تھا"[1]

ولید بن عبدالملک کے دور میں اسلامی سلطنت دنیا کی سب سے بڑی اسلامی سلطنت تھی،

---

(1) البدایہ والنہایہ (87/9)

تاہم اس کا مطلب یہ بھی نہیں ہے کہ سلطنت عباسیہ کا پھیلاؤ اتنا نہیں تھا، بلکہ متوکل کے دور تک اسلام اور تمام مسلمانوں کے لیے فخر کا باعث تھی، البتہ اموی سلطنت سے قدرے کم تھی۔

3۔ اسی فتنے کی وجہ سے عباسی سلطنت کے قیام کے لیے اعلانیہ دعوت دی گئی، اس مرحلے میں محمد بن علی بن عبد اللہ بن عباس کو خلیفہ تسلیم کرنے کے لیے لوگوں کو قائل کیا گیا پھر ان کے بعد ان کے بیٹے ابراہیم کے ہاتھ پر بیعت کی گئی، عباسی سلطنت کے قیام کے لیے پر امن کوششیں 100 ہجری میں شروع ہو گئیں تھی، لیکن اس فتنے کے بعد اموی سلطنت کے خلاف مسلح کوششیں بھی شروع ہو گئیں اور اس کے لیے ابو مسلم خراسانی نے اپنی خدمات پیش کیں، ابو مسلم خراسانی کو ہی ابراہیم نے عباسی سلطنت کے کارندوں کا سربراہ مقرر کیا اور اسے یہ وصیت کی کہ خراسان میں کوئی عربی زبان بولنے والا نہیں ہونا چاہیے، اس پر ولید بن یزید کے قتل ہونے کے بعد ابو مسلم 127 ہجری میں اموی سلطنت کے خلاف حالات بگاڑنے لگا، اعلانیہ طور پر عباسی سلطنت کے قیام کے لیے کوششیں شروع کر دیں، انہوں نے سیاہ لباس زیب تن کیا اور بنو امیہ کو اپنے ہتھیاروں کا نشانہ بنایا، چنانچہ ابو مسلم خراسان کے حالات خراب کرنے کے بعد وہاں پر تسلط حاصل کرنے میں کامیاب ہو گیا، پھر اس کے بعد ابو مسلم نے عراق کی راہ لی اسے بھی بنو امیہ سے چھین لیا پھر عباسی لشکر آگے بڑھتے ہوئے اموی سلطنت سے بقیہ علاقے بھی چھینتا گیا یہاں تک کہ 132 ہجری میں آخری اموی خلیفہ مروان بن محمد کو بھی قتل کر دیا۔

طبری کہتے ہیں کہ ابو مسلم نے اموی سلطنت کے خلاف کاروائیوں میں 6 لاکھ لوگوں کو باندھ کر قتل کیا تھا، معرکوں میں قتل ہونے والے اس تعداد کے علاوہ ہیں۔

اسی طرح عبد اللہ بن علی -عباسی خلیفہ ابو عباس سفاح کے چچا- نے دمشق میں داخل ہو کر صرف تین گھنٹوں میں 50 ہزار لوگوں کو ابدی نیند سلایا تھا۔

❀❀❀❀

ساتواں مبحث:

محمد بن عبداللہ بن حسن بن زید بن حسن بن علی بن ابو طالب المعروف "نفس الزکیہ" کا ابو جعفر منصور کے خلاف انقلاب 145 ہجری

علی کے خانوادے سے بھی کچھ لوگ خلافت کے دعوے دار تھے، ان کے مطابق گھرانہ نبوت کے ساتھ سب سے قریب ترین تعلق انہی کا لہٰذا خلافت پر بھی انہی کا حق ہے، ان لوگوں میں محمد بن عبداللہ بن حسن بھی تھے۔

اموی خلافت کے آخری زمانے میں جس وقت حالات بہت خراب تھے، ان دنوں میں بنو ہاشم نے محمد بن عبداللہ بن حسن کے ہاتھ پر خلیفہ ہونے کی بیعت کر لی، بیعت کرنے والوں میں ابو جعفر منصور بھی تھے۔

پھر جب خلافت عباسی خاندان میں آگئی اور ابو جعفر منصور کے ہاتھ میں زمام کار آئی تو نفس زکیہ کی جانب سے انقلاب اور بغاوت کا خدشہ محسوس کیا اور ان کی تلاش شروع کر دی، لیکن تمام تر کوششیں ناکام رہیں، اس پر ابو جعفر نے انہیں دھوکا دینے کی ٹھانی، اور محمد بن عبداللہ بن حسن تک یہ بات کسی ذریعے سے پہنچادی کہ لوگ اس کی جانب سے بغاوت کی ابتدا کے منتظر ہیں، اس پر انہوں نے 145 ہجری میں بغاوت کرنے کی تیاری کر لی، ساتھ ہی اپنے بھائی ابراہیم کے ساتھ بھی وعدہ کر لیا کہ تم کوفہ میں اسی دن بغاوت کر دو گے، تاکہ حالات کو کنٹرول کرنا ابو جعفر کے بس میں نہ رہے اور ہماری کوشش کامیاب ہو جائے۔

وقت مقررہ پر محمد بن عبداللہ بن حسن نے مدینہ میں بغاوت کر دی، لیکن ان کے بھائی اپنی بیماری کی وجہ سے اسی دن بغاوت نہ کر سکے۔ جب یہ خبر ابو جعفر منصور کو پہنچی تو وہ کوفہ کی جانب روانہ ہوئے تاکہ کوفہ کے حالات کا خود جائزہ لیں، اہل کوفہ چونکہ شیعانِ علی میں

سے تھے تو ابو جعفر نے کوفہ کے داخلی وخارجی سارے دروازے بند کروادیئے تاکہ کوئی بھی اندر یا باہر نہ جاسکے، پھر اپنے لشکروں کو جنگ کے لیے مدینہ کی جانب ارسال کر دیا کہ محمد بن عبداللہ بن حسن کے معاملات نمٹائیں، اس سے پہلے ابو جعفر نفس زکیہ کو اپنے مراسلوں کے ذریعے توبہ کرنے اور اطاعت گزاری میں آنے کی دعوت دے چکے تھے، لیکن نفس زکیہ نے ان کی کوئی بات نہ مانی۔

چونکہ مقابلے میں آنے پر انقلابی لوگ تتر بتر ہو گئے تھے تو عباسی لشکر محمد بن عبداللہ بن حسن کو شکست دینے میں کامیاب ہو گیا، اس طرح ان کا سر بھی منصور کی جانب بھیج دیا گیا اور یہ فتنہ بھی اپنے انجام کو پہنچا۔

پھر اس کے بعد ابراہیم نے کوفہ میں بغاوت کر دی، ابراہیم نے کوفہ اور اہواز پر اپنا تسلط حاصل کر لیا اور جن علاقوں نے ابراہیم کی بیعت کر لی تھی ان میں اپنے گورنر بھی مقرر کر دیئے، لیکن ابو جعفر منصور نے کامیابی کے ساتھ ابراہیم بن عبداللہ بن حسن کو شکست دے دی اور ان کے ساتھ انہیں چھوڑ کر الگ ہو گئے، چنانچہ انہیں بھی ابدی نیند سلا کر ان کا سر ابو جعفر منصور کے سامنے پیش کر دیا گیا۔ جس وقت ابو جعفر منصور کے سامنے ابراہیم کا سر رکھا گیا تو ابو جعفر رو پڑے اور ان کے آنسو ابراہیم کے سر پر گرنے لگے وہ روتے ہوئے کہہ رہے تھے: "اللہ کی قسم! میں ایسا نہیں چاہتا تھا، لیکن تمہیں میرے بارے میں اور مجھے تمہارے بارے میں آزمایا گیا"

اس فتنے کے نتائج

1۔ اسلامی ریاست اسی فتنے میں محصور ہو کر رہ گئی، مسلمانوں میں انتشار پھیلا، مسلمانوں کا خون بہا، نیک لوگوں کا قتل ہوا، بے چینی اور بدامنی پھیلی۔
2۔ باغی اور انقلابی تحریکیں یہیں پر ختم نہیں ہو تیں بلکہ یہ یکے بعد دیگرے رونما ہوتی رہی ہیں، ان تمام تحریکوں کو ذکر کرنے کا یہ مقام نہیں ہے، جس قدر ہم نے بیان کر دی ہیں ان میں نصیحت لینے والوں کی کافی وافی عبرت اور سبق ہے۔

دوسری فصل:

عصر حاضر میں باغی اور انقلابی تحریکیں

پہلا مبحث

مصر کی 1371ہجری بمطابق 1952 کی تحریک

اس تحریک کے ابتدائی اسباب اس وقت پیدا ہوئے جب جمال عبدالناصر کچھ سر گرم اسلامی تحریکوں میں شامل ہونے میں کامیاب ہو گیا، جمال عبدالناصر کی ان تحریکوں میں شمولیت خصوصی کوٹے کی مد میں ہوئی یہ تنظیم کے عسکری ونگ میں شمولیت ہوتی تھی، اس ونگ میں شامل ہونے والے فوجی افسروں کو "ضُباط الاحرار" کا نام دیا جاتا تھا۔

جمال عبدالناصر کو اس ونگ میں کچھ قومیت پرست اور دین سے دور وطن پرست لوگوں کو شامل کرنے کی بھی کامیابی ملی، بلکہ غیر مسلم بھی اس نظریے کی بنیاد پر شامل کر دیئے کہ یہ بھی انگریز استعمار کے مقابلے میں ہیں۔ پھر اس کے بعد انہوں نے 1371ہجری بمطابق جولائی 1952ء میں مصر کی بادشاہت کا تختہ الٹ دیا، مقصد یہ تھا کہ دین اور عدل کی بالادستی ہو، اپنی تحریک کے بیانیے میں جمال عبدالناصر کی جانب سے یہ کہا جاتا تھا کہ: "یہ تحریک روحانی رہنما حسن البنا کی تعلیمات کا نفاذ کرے گی"

لیکن جس وقت حکومت کی زمام کار جمال کے ہاتھ میں آئی تو چہرے سے نقاب ہٹا اور معاملات بالکل برعکس ہو گئے، چنانچہ جن اسلامی تحریکوں کے کندھوں پر سوار ہو کر حکومت ملی تھی انہی کو تاک تاک کر مارا جانے لگا، انہیں جیلوں میں ڈال کر زدوکوب کیا جانے لگا، بلکہ کچھ کو تختہ دار پر لٹکا دیا گیا، چنانچہ شاہ فاروق کے زمانے سے بھی بڑھ کر حالات خراب ہو گئے، اور بادشاہت کے خاتمے سے کوئی فائدہ نہیں ہوا، بلکہ تباہی اور قتل وغارت ہی بڑھا۔

اس تحریک کے نتائج

1۔ مجموعی طور پر دیندار لوگوں کے لیے زمین تنگ ہو گئی، واعظین کو جیلوں میں ڈالا گیا، سزائیں اور قید وبند کی صعوبتیں انہیں جھیلنا پڑیں اور کچھ کو قتل بھی کیا گیا۔

2۔ جیلوں میں بہیمانہ سزاؤں کے رد عمل کی وجہ سے تکفیری سوچ پروان چڑھی پھر اس فکر کی وجہ سے اسلام اور مسلمانوں نے بہت ہی نقصانات اٹھائے، اس تحریک کے دوران قید میں ڈالے جانے والے سید قطب جنہیں 1384 ہجری بمطابق 1964ء میں رہا کر دیا گیا، انہیں بھی پذیرائی ملی انہوں نے اپنی تحریروں میں اسلامی ممالک کو جاہلیت سے موصوف کیا،(1) انہیں کفریہ ممالک قرار دیا، ان کے مطابق مسلمانوں کے موجودہ حالات عہد نبوت میں سے مکی زندگی کے مطابق تھے۔(2)

---

(1) اس کیلیے دیکھیں: "معالم في الطريق"، اسی طرح" في ظلال القرآن" اور" العدالة الاجتماعية"

(2) جیسے کہ ان کی کتاب: "معالم في الطريق" میں لکھا ہے کہ: "ہمارے ارد گرد دورِ جاہلیت رواں دواں ہے، لوگوں کے نظریات، عقائد، عادات، رسم و رواج، ثقافت، فنون، ادب، قوانین اور دستور حتی کہ ان کا دین اسلام بھی جاہلیت کی پیداوار ہے، اس جاہلیت کا خاتمہ از بس ضروری ہے اس کیلیے موجودہ حکومتوں اور قوانین کو ختم کرنا ہو گا جو کہ عوام کی عوام پر حاکمیت اور انسان کو انسان کا بندہ بناتی ہے دینی تحریکوں کے سامنے رکاوٹیں کھڑی ہیں ان رکاوٹوں میں سب سے بڑی رکاوٹ سیاسی قوتیں ہیں، اور یہ بڑی ہی کم عقلی کی بات ہو گی کہ اس دنیا میں انسان کو انسانوں کی غلامی سے آزادی دلانے کیلیے مادی قوتوں کے سامنے محض بیان و زبان ہی پر اکتفا کیا جائے، لہذا اگر رکاوٹیں مادی قوتوں کی شکل میں موجود ہیں تو انہیں سب سے پہلے مسلح کاروائی کے ذریعے انہی قوتوں کو زائل کرنا ضروری ہے، تا کہ انسان کے دل و دماغ کو سیاسی قوتوں سے آزادی کی حالت میں مخاطب کرنے کا موقع ملے۔"

اسی طرح ان کی تفسیر " في ظلال القرآن" (2122/4) میں لکھا ہے کہ: "آج روئے زمین پر کوئی بھی مسلمان مملکت نہیں ہے، اور نہ ہی مسلمان معاشرہ موجود ہے جہاں پر لین دین کیلیے شریعت الٰہی اور اسلامی فقہ کو بالادستی حاصل ہو"

ایک اور جگہ پر لکھا ہے: "اس وقت پوری بشریت لوگوں کی غلام اور ادیان کے ظلم میں پس رہی ہے، بشریت اس وقت لا الہ الا اللہ سے منہ موڑ چکی ہے، اگرچہ انسانوں میں سے کچھ لوگ اذان دیتے ہوئے لا الہ الا اللہ کا ورد تو کرتے ہیں لیکن اس کا معنی اور مفہوم نہیں جانتے، انہیں یہ معلوم نہیں ہے کہ اس کا تقاضا کیا ہے؟"

ان کے مطابق روئے زمین پر ان تمام وضعی قوانین کو ختم کر کے حکمِ الٰہی کا نفاذ انتہائی ضروری ہے[1]، اس کے علاوہ بھی ان کی باتیں موجود ہیں۔

اس فکر اور سوچ نے بہت سے نوجوانوں کو اپنی گرفت میں لے لیا؛ اس کی وجہ یہ تھی کہ سید قطب فصاحت وبلاغت کے دھنی تھے؛ کیونکہ وہ صف اول کے ادیبوں میں شمار ہوتے تھے۔

سید قطب، سید ابوالاعلی مودودی کی کتابوں سے متاثر تھے، انہوں نے اسلامی معاشروں کو پہلے ہی جاہلیت سے موصوف قرار دیا ہوا تھا، بلکہ انہیں کافر بھی کہہ دیا تھا، وہ بھی لوگوں کو اسی حالت پر سمجھتے تھے جیسے کہ بعثت نبوی کے ابتدائی ایام میں لوگوں کی حالت تھی۔[2]

اس تکفیری فکر اور سوچ سے متاثر ہو کر سن 1965ء میں ایک تنظیم کی بنیاد رکھی گئی، اس تنظیم کی سربراہی سید قطب کے پاس تھی، انہوں نے ہی جمال عبدالناصر کے قتل کا منصوبہ بنایا اور دیگر دھماکے وغیرہ بھی کروائے، انہی دہشت گردانہ کاروائیوں کی بنا پر انہیں سزائے موت دے دی گئی۔

جیل سے رہائی پانے والوں میں دیگر اور بھی ایسے افراد تھے جنہوں نے ملکی قوانین کے خلاف اعلان جہاد کیا جیسے کہ نبیل برعی اور علوی مصطفی وغیرہ، انہی تکفیری نظریات پر کچھ تنظیمیں بھی رونما ہوئیں جیسے کہ "تنظیم الجہاد" نامی ایک جماعت رونما ہوئی اسی جماعت نے

اسی تفسیر میں ایک جگہ لکھا ہے کہ: "ساری کی ساری انسانیت جن میں وہ لوگ بھی شامل ہیں جو مشرق و مغرب میں لاالہ الا اللہ کی صدائیں بنا سوچے سمجھے اور بغیر حقیقت جانے میناروں پر لگاتے ہوئے سنائی دیتے ہیں، ان لوگوں کا گناہ اور عذاب روزِ قیامت سب سے سخت ہو گا؛ کیونکہ یہ تو راہ ہدایت عیاں ہو جانے کے بعد مرتد ہو گئے لوگوں کی پرستش شروع کر دی حالانکہ وہ پہلے اللہ کے دین پر تھے" "في ظلال القرآن" (1057/2)

(1) ان کی کتاب "معالم الطریق" میں ہے کہ: "نوجوان مومنوں اور قرآن مجید پر استوار نسل کے ذریعے جہاد ہی معاشروں کو طاغوت کی حکمرانی سے بچانے کا طریقہ کار ہے۔"

(2) عام طور پر یہ مشہور ہے کہ سید مودودی سید قطب سے متاثر تھے، لیکن حقیقت برعکس ہے، اس کیلیے دیکھیں ان کی کتاب: "المصطلحات الأربعة في القرآن"

ہی انور سادات کو 1400 ہجری بمطابق 1980ء میں قتل کیا تھا، جس کی بنا پر حالات مزید خراب ہو گئے اور چہار سو بے چینی اور بدامنی پھیل گئی۔

اس سے بھی زیادہ منحرف تنظیمیں وجود میں آئیں، جیسے کہ 1379 ہجری بمطابق 1977ء میں "جماعت المسلمین" نامی جماعت جسے عام طور پر "جماعت تکفیر و ہجرت" سے جانا پہچانا جاتا تھا، اس کی سربراہی شکری مصطفی کے ہاتھ میں تھی ان کے مطابق اس جماعت سے نہ ملنے والا ہر شخص کافر ہے، چنانچہ ان کے مطابق پوری دھرتی پر ان کی جماعت کے علاوہ تمام کافر تھے۔

پھر اس کے بعد جماعۃ الجہاد سے "الجماعۃ الاسلامیۃ" نامی تنظیم رونما ہوئی اس کی سربراہی عمر عبدالرحمن کے ہاتھ میں تھی یہ جماعت بھی تنظیم الجہاد جیسی ہی تھی اگرچہ مکمل طور پر وہی نہیں تھی، انہوں نے بھی متعدد منفی کاروائیاں کیں، مثلاً: فرج فودہ جیسے کچھ سیکولر عناصر کو قتل کیا، انہوں نے نجیب محفوظ کو قتل کرنے کی منصوبہ بندی کی، اسی طرح سیاحوں کو بھی نشانہ بنایا بلکہ فوج اور پولیس کے کچھ افراد کو بھی انہوں نے نشانہ بنایا۔

❀❀❀❀

دوسرا مبحث:

حرم مکی میں جہیمان کی تخریبی کاروائی 1400 ہجری بمطابق 1979ء

جہیمان اور اسکے ساتھیوں کے ابتدا میں نظریات اور عقائد صحیح تھے، بعد میں مصری حکومت کی پکڑ سے بھاگ کر راہِ فرار اختیار کرنے والے تکفیری سوچ سے متاثر لوگوں کی صحبت اختیار کرنے پر ان کے نظریات بھی خراب ہو گئے۔

ابتدا میں انہوں نے بھی لوگوں کو علمائے کرام سے دور کرنا شروع کیا، ان کے نزدیک علمائے کرام یا تو عامل ہیں لیکن عالم نہیں، اس قسم کے لوگوں کو وہ " مقلد" کہتے تھے۔ اور ان کے نزدیک دوسری قسم عالم تو ہیں لیکن با عمل نہیں ہیں، اس قسم کے علماء ان کے ہاں طاغوت کا رد نہیں کرتے تھے[1]، ان کے مطابق یہ علمائے کرام مداہنت کا شکار تھے، مثلاً: عبدالعزیز بن باز اور دیگر علمائے کرام رحمہم اللہ، حالانکہ ان کا مداہنت سے دور کا بھی تعلق نہیں تھا۔

جہیمان کا کہنا ہے کہ:

"پھر ہم نے شیخ عبدالعزیز بن باز کو پرکھا تو ہمیں اس شخص میں علم تو نظر آیا لیکن یہ مخالفینِ شریعت پر سخت لفظوں میں رد نہیں کرتا، حکومتی سطح پر سرزد ہونے والی شرعی مخالفتوں کا ذکر تو کرتا ہے لیکن ان کے لیے عذر بھی گھڑ لیتا ہے اور ان کے لیے دعا بھی کرتا ہے، (اور اس حکومت کو ہمارے رسالے "الامارۃ" [2] کی

---

(1) مطلب ان کا یہ تھا کہ جو چیزیں ان کے ہاں غلط ہیں علماء ان کا رد نہیں کرتے، یہ مطلب نہیں تھا کہ جو چیزیں شریعت کی رو سے غلط ہوں ان سے روکا جائے۔

(2) اس سے اس کا اپنا رسالہ: " الإمارة والبيعة والطاعة وكشف تلبيس الحكام على طلبة العلم والعوام" مراد ہے۔

وجہ سے اپنی ذمہ داریوں کا علم ہے) اور جس وقت شیخ کے پاس کسی بدعقیدے کے حامل شخص کا ذکر کیا جاتا ہے تو بسا اوقات کہہ دیتا ہے: "کوئی بات نہیں!" لیکن ان تمام باتوں سے بڑھ کر جس کی وجہ سے ہم ابن باز سے نفرت کرتے ہیں وہ یہ ہے کہ ان کا تلبیس کاری میں ملوث حکومت کے ساتھ گہرا تعلق ہے، یہاں تک کہ ہمیں اس تلبیس کے اثرات بھی واضح نظر آئے ہیں، اللہ تعالی ہمیں ابن باز کی گمراہی سے بچائے!!"[1]

اس کے بعد جھیمان اپنے ساتھیوں کے ساتھ الگ تھلگ ہو گیا، اور ذاتی کوششوں سے کتابیں پڑھ کر علم حاصل کرنے لگے، نصوص سمجھنے کے لیے انہوں نے علمائے کرام سے رجوع بالکل ترک کر دیا۔

جھیمان کا کہنا ہے کہ:

"اس معاشرے میں موجود جماعتوں اور گروہوں[2] کو جب ہم نے دیکھا کہ ان میں سے کوئی بھی خالص حق پر قائم نہیں ہے، تو ہمیں چند ایک کے علاوہ سب کے سب عالم بلا عمل یا عامل بلا علم نظر آئے تو ہم نے علم و عمل اور دعوتِ دین کے لیے اللہ تعالی سے مدد مانگی، پھر ہم نے ایک مکان کرائے پر لیا ہم وہاں اکٹھے ہو کر پڑھنے لگے"[3]

جھیمان اور اس کے ساتھی حکمرانوں کی بیعت کسی خاطر میں نہیں لاتے تھے؛ کیونکہ

---

(1) دیکھیں: رسالہ "دعوة الإخوان كيف بدأت؟ وإلى أين تسير؟" صفحہ: 5، یہ بغاوت اور خروج کی پہلی سیڑھی ہوتی ہے کہ علمائے کرام سے اعتماد اٹھا دیا جائے اور ان پر اعتبار نہ کیا جائے۔

(2) اس میں سعودی علمائے کرام، اخوان المسلمون، کویت کی تبلیغی جماعت اور سلفی جماعت کا بھی ذکر کیا۔

(3) دیکھیں: رسالہ "دعوة الإخوان كيف بدأت؟ وإلى أين تسير؟" صفحہ: 7۔ قارئین کرام! یہاں ذرا غور کریں کہ شیطان کس طرح سے بہ تدریج جاہلوں کو گمراہ کرتا ہے، پہلے انہیں علمائے کرام سے نفرت کرواتا ہے، پھر لوگوں سے الگ تھلگ کرتا ہے اور پھر ان کے دماغوں کو استعمال کرتا ہے۔

ان کے مطابق بیعت صرف اسی کی ہوتی ہے جو مکمل طور پر احکاماتِ الٰہی نافذ کرے۔[1]

جھیمان کا کہنا ہے کہ :

"آج ہم مسلمان حکمرانوں کے بارے میں جو نظریہ رکھتے ہیں جو کہ گزشتہ دلائل سے ثابت ہوتا ہے تو وہ یہ ہے کہ : ان حکمرانوں کے بارے میں نبی ﷺ کے ذکر کردہ وہ تمام اوصاف لاگو ہوتے ہیں جو اس فصل سے پہلے بیان ہو چکے ہیں، نیز ان کی کسی بھی مسلمان پر بیعت باقی نہیں ہے، نہ ہی ان کی اطاعت کرنا ضروری ہے، تاہم ان تمام چیزوں کے باوجود ان کی تکفیر لازم نہیں آتی، لہٰذا اگر کوئی حکمران اسلام کا دعوی کرتا ہے تو ہم اس کا یہ دعوی قبول کریں گے یہاں تک کہ کوئی بات اس دعوے کو توڑنے کے لیے ثابت ہو جائے تو پھر ہم اس پر کفر کا حکم لاگو کریں گے، البتہ ہم یہ ضرور کہتے ہیں کہ اگر آج انہیں ان کی حالت پر چھوڑ دیا جاتا ہے تو یہ دینِ الٰہی کو منہدم کرنے کے مترادف ہے"[2]

جھیمان نے یہ بھی کہا ہے کہ :

"ہمارے حکومت سے تعلق کے متعلق وضاحت یہ ہے کہ : ہمیں ایسی احادیث ملی ہیں جو ہمیں ایسی حکومت سے الگ تھلگ رہ کر اپنے آپ پر توجہ کرنے کا حکم دیتی ہیں"[3]

اس کے بعد پھر کہا:

"اس کے بعد ہم نے حکومتی ملازمین، حکومتی چیلوں اور کارندوں سے اپنا راستہ الگ کر لیا"[4]

---

(1) احکامات الٰہی سے مراد جھیمان اور اس کے ساتھیوں کی سمجھ کے مطابق احکام الٰہی ہیں۔

(2) دیکھیں: "الإمارة والبيعة والطاعة وكشف تلبيس الحكام على طلبة العلم والعوام" صفحہ: 28

(3) دیکھیں: رسالہ "دعوة الإخوان كيف بدأت ؟ وإلى أين تسير ؟" صفحہ: 5۔

(4) دیکھیں: رسالہ "دعوة الإخوان كيف بدأت ؟ وإلى أين تسير ؟" صفحہ: 7۔

جھیمان کے اس نظریے سے دیگر اسلامی ممالک کے نوجوان بھی متاثر ہوئے، اس پر انہوں نے لوگوں اور حکومتوں سے علیحدگی اختیار کرنا شروع کر دی، امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کا فریضہ اپنی غلط سوچ اور فکر کے مطابق سرانجام دینے لگے۔

چونکہ وہ علمائے کرام سے دور رہنے لگے تھے اس لیے وہ یہ سمجھنے لگے کہ قرب قیامت کا دور آچکا ہے اور یہ وقت مہدی کے ظہور پذیر ہونے کا ہے، اس گمان کو مزید تقویت دینے کے لیے انہی کے لوگوں کو کچھ خواب بھی آئے، جو کہ حقیقت میں شیطانی خواب تھے۔

جیسے کہ جھیمان کا کہنا ہے کہ:

"احادیث اور اچھے خوابوں سے ہمیں جو اشارے ملتے ہیں ان سے یہی معلوم ہوتا ہے کہ یہ وقت مہدی کے ظہور پذیر ہونے کا ہے، تو عین ممکن ہے کہ اللہ تعالی ہمارے لیے مہدی کو ظہور پذیر فرمادے اور ہم پر رحم فرمائے۔

ایک حدیث [1] میں ہے کہ: جو لوگ مہدی کے ساتھ ہوں گے وہ بیت اللہ الحرام میں پناہ لیں گے، اور اس کی وجہ ہمیں یہی سمجھ میں آتی ہے کہ حرم سے باہر ہر جگہ لوگ ان سے لڑیں گے، یہاں تک کہ انہیں بیت اللہ کے علاوہ کوئی جائے پناہ نہیں ملے گی؛ کیونکہ جو بھی اس میں داخل ہوتا ہے وہ امن پاجاتا ہے [2]، اور یہ بھی احادیث میں آتا ہے کہ جو لشکر مہدی اور ان کے ساتھیوں سے جنگ کرے گا انہیں دھنسا دیا جائے گا، نیز یہ لشکر کوئی یہودیوں، نصرانیوں اور اشتراکیوں کا نہیں ہوگا، بلکہ یہ لشکر امت محمدیہ میں سے ہوگا، اب دیکھو یہ لشکر کون تیار کرتا ہے، اللہ اعلم " [3]

جھیمان اور ان کے ساتھیوں میں گمراہی مزید گہری ہوتی گئی تو اپنے ساتھی محمد بن عبد

(1) اس سے مراد صحیح مسلم کی روایت ہے کہ نبی ﷺ نے فرمایا: (اس گھر میں ایک قوم پناہ گزین ہوگی، ان کا دفاع کرنے والا کوئی نہیں ہوگا، نہ ان کی تعداد اور تیاری ہوگی، ان کی سرکوبی کیلیے ایک لشکر بھیجا جائے گا جب وہ بیداء مقام پر ہوں گے تو زمین میں دھنسا دیئے جائیں گے) صحیح مسلم: 2883

(2) ان کی اس بات اور حرم میں بے شمار اسلحہ چھپا کر لے جانے کے عمل میں ذرا موازنہ کریں!

(3) دیکھیں: رسالہ " دعوة الإخوان کیف بدأت؟ وإلى أین تسیر؟" صفحہ: 10۔

اللہ قحطانی کو ہی مہدی قرار دے دیا، اور خود ہی اسے اپنے آپ کو مہدی تسلیم کرنے پر مجبور کیا، مزید برآں انہوں نے بزعم خویش نیک خوابوں سے بھی یقین دہانی کروائی کہ تم ہی مہدی ہو، حالانکہ یہ نیک خواب نہیں تھے بلکہ شیطانی چالیں تھیں۔

اس بارے میں جھیمان کا کہنا ہے کہ :

"اس کے بعد یہ بات بتلانا بھی ضروری ہے کہ خوابوں کی بہت اہمیت ہے، انہیں معمولی نہیں سمجھنا چاہیے، بہت سے لوگ خوابوں کو اتنی اہمیت نہیں دیتے حالانکہ سچے خوابوں کے بارے میں صحیح بخاری اور مسلم میں متعدد روایات موجود ہیں؛ خصوصاً آج کل کے دور میں آنے والے خواب بہت اہمیت کے حامل ہیں؛ کیونکہ نبی ﷺ کا فرمان ہے: (آخری زمانے میں بہت کم ہو گا کہ مومن کے خواب جھوٹے نکلیں) (صحیح بخاری)

اللہ جانتا ہے کہ اگر ہمیں فتنے کا خدشہ نہ ہوتا اور ہمارے خوابوں کا غلط فائدہ اٹھائے جانے کا خدشہ نہ ہوتا تو ہمارے ساتھیوں کے آنے والے اچھے خواب ضرور بتلاتے؛ کیونکہ ہمارے ساتھیوں اور دیگر لوگوں کو خواب میں رسول اللہ ﷺ بھی ملے ہیں، جو ان خوابوں کی تفصیل میں جانا چاہتا ہے تو وہ ہمارے ساتھیوں سے رابطہ کر سکتا ہے آج بھی وہ ہمارے اندر موجود ہیں۔"(1)

اہل علم نے انہیں سمجھانے کی بہت کوشش کی، انہیں فکری گمراہی کے متعلق نشاندہی کرتے ہوئے صحیح راستہ بتلایا، لیکن انہوں نے کسی کی کوئی بات نہ سنی، ان اہل علم میں شیخ عبدالعزیز بن باز کا نام سب سے پہلے آتا ہے۔

اس کے بعد وہ حرم مکی میں اسلحہ چھپا کر لے جانے میں کامیاب ہو گئے، انہوں نے اسلحہ کپڑوں اور دیگر چیزوں میں چھپایا ہوا تھا، نیز اس کے لیے دروازے کے چوکیدار کو رشوت

---

(1) دیکھیں: رسالہ " دعوۃ الإخوان کیف بدأت؟ وإلی أین تسیر؟" صفحہ:10۔

دیگر خریدا بھی گیا تھا،[1] نیز اس کام کے لیے متعدد ممالک سے لوگ سفر کر کے ان ساتھ ملے تھے، اور مقررہ دن یعنی 1400 ہجری یکم محرم کو نماز فجر کے بعد مہدیت کے دعوے دار کے ہاتھ پر بیعت ہوئی اور لوگوں کو بھی خود ساختہ مہدی کی بیعت کے لیے بلایا، اس پر بہت بڑا فتنہ کھڑا ہو گیا، اس فتنے میں 20 دن تک نماز اور اذان معطل رہی۔

علمائے کرام اور ملکی قیادت نے انہیں سمجھانے اور اللہ کا ڈر اور خوف دلانے کی بھرپور کوشش کی، انہیں بیت اللہ کی حرمت بھی یاد کروائی، اس شہر میں خلاف شرع کام کرنے والے کے بارے میں اللہ تعالی کی وعید بھی بتلائی، لیکن وہ لوگ ذرا ٹس سے مس نہیں ہوئے اور ان تمام باتوں کی بالکل پرواہ نہیں کی، وجہ صرف یہ تھی کہ وہ شیطانی وہموں میں گرفتار تھے۔

آخر کار ان میں سے 90 افراد قتل ہو گئے اور بقیہ کو گرفتار کر لیا گیا، ان کی تعداد 175 تھی، جن میں سے 23 عورتیں اور بچے بھی تھے، اسی طرح پولیس کے 127 افراد نے اپنی جانوں کا نذرانہ پیش کیا اور 451 پولیس کے افراد زخمی بھی ہوئے[2]، مقتولین میں محمد بن عبد اللہ قحطانی بھی تھا جس کے بارے میں مہدی ہونے کا دعوی کیا گیا تھا۔

نیز ان کے دعوں کے مطابق کوئی ایسی چیز رونما نہیں ہوئی کہ لشکر دھنس جائے گا، مہدیت کا دعوے دار بھی مر دار ہوا، نیز حصار کے دوران زندہ افراد میں سے کوئی بھی اپنے موقف سے پیچھے نہیں ہٹا، حالانکہ انہیں اس بات کا علم ہو گیا تھا کہ ان کی باتیں ساری کی ساری جھوٹ ثابت ہو چکی ہیں، لیکن خوارج کے بارے میں اللہ تعالی کا قانون ہے کہ یہ لوگ چند ایک کے علاوہ اپنے موقف سے رجوع نہیں کرتے۔

---

(1) یہ باتیں سعودی عرب کے ولی عہد کی روزنامہ ریاض - 25 صفر 1400 ہجری - کے ساتھ گفتگو کرتے ہوئے منظر عام پر آئیں۔

(2) یہ اعداد و شمار مملکت سعودیہ عرب کی وزارتِ داخلہ کی جانب سے 22 صفر 1400 ہجری بمطابق 10 جنوری 1980ء کو جاری ہوئے۔

اس باغی تحریک کے نتائج

1۔ بیت اللہ کی حرمت پامال ہوئی، بیت اللہ میں قتل وغارت کا بازار گرم ہوا، پرامن لوگوں کو دہشت زدہ کیا گیااور 20 دن تک نمازاور اذان معطل رہی۔

2۔ جن ممالک کے لوگ ان کے نظریات سے متاثر ہوئے تھے ان کے خلاف سختی کی گئی اور اس فتنے کی وجہ سے انہیں مشکلات کا سامنا کرناپڑا۔

3۔ اسلام کا روشن چہرہ مسخ ہوااور عوام الناس دیندار لوگوں سے نفرت کرنے لگے؛ کیونکہ ان میں اہل حق اور منحرف لوگوں میں امتیاز کرنے کی صلاحیت نہیں ہوتی۔

4۔ سید قطب کی تعلیمات پر مبنی جماعتوں کی تشکیل ہوئی، ان تعلیمات کی بناپر اسلامی معاشروں کو جاہلیت سے موصوف کیا گیا،ان تعلیمات میں قانون شکنی اور مرضی کے مطابق حکم الٰہی کے نفاذ کی ترغیب دی گئی، لیکن اس فتنے میں ان تعلیمات کو رنگ اہل سنت والجماعت والا دیا گیا کہ وہ اسماوصفات اور دیگر معاملات میں اہل سنت والجماعت کے موقف پر ہیں، یہی وجہ بنی کہ ان کے نظریات کو بہت جلد قبول کر لیا گیا۔

❀❀❀❀

تیسرا مبحث:

شام 1402ہجری میں سانحہ حماہ 1983ء

اس انقلابی فتنے کے اثرات اس وقت شروع ہوئے جب کچھ اسلامی جماعتوں کو اپنی عوامی مقبولیت پر گھمنڈ ہونے لگا کہ ہماری دعوت تمام لوگوں میں پھیل چکی ہے، حالانکہ انہوں نے لوگوں کو صحیح عقیدہ سکھایا تھا اور نہ ہی توحید کی دعوت دی تھی، بلکہ ان کا مطمح نظر حکومت کا حصول تھا اس کی وجہ یہ تھی کہ ان کے ہاں اسلامی حکومت قائم کرنے کا یہی ایک طریقہ ہے۔

اس کی وجہ سے سرکاری فوج سے جھڑپیں بھی ہوئیں اور سرکار کی جانب سے ان پر دائرہ تنگ کیا جانے لگا،اس کے لیے اسلامی تحریک کے مرکزی رہنما مروان حدید کو پکڑ لیا گیا، اس کے بعد انہیں گردن میں زہریلا ٹیکا لگایا گیا جس سے ان کی موت واقع ہو گئی۔

اس پر "طلیعہ اسلامیہ" کے کچھ نوجوانوں نے اپنے رہنما کا بدلہ لینے کی کوشش کی انہوں نے سمجھا کہ ہمارے پاس سرکاری فوج کا مقابلہ کرنے کے لیے قوت اور طاقت ہے، چنانچہ انہوں نے کچھ لوگوں کو قتل کیا اور پھر تخریبی کاروائیوں میں ملوث ہو کر بم دھماکے بھی کئے اور اس کے لیے انہوں نے زیر زمین بنکر اور سرنگیں بھی کھودیں۔

مرکزی تحریک کے ذمہ داروں نے انہیں ایسے اقدامات سے روکا لیکن وہ اپنی سرگرمیوں سے باز نہ آئے، بلکہ انہیں یہ طعنہ دینے لگے کہ تم جہاد کے خلاف ہو۔

اس کے "طلیعہ اسلامیہ" کے چند افراد نے اعلانیہ جہاد کے کے لیے صدائے عام لگائی اس پر سرکاری فوج نے حماہ شہر کا محاصرہ کر لیا اور فوج کی جانب سے لڑاکا طیاروں، ٹینکوں اور بکتر بند گاڑیوں سمیت تمام تر عسکری آلات کو بروئے کار لاتے ہوئے خوب گولہ باری اور پورے شہر کو تہس نہس کر کے رکھ دیا، جس کے نتیجے میں 30 ہزار سے زائد مسلمانوں کی

جانیں ضائع ہوئیں، عزت آبرو، جان و مال، اور ہر چیز تباہ و برباد ہو گئی، اور اس طرح اس انقلابی تحریک کا خاتمہ پہلے سے برے حالات پر منتج ہوا۔

اس انقلابی تحریک کے نتائج

1۔ پر امن رہنے والے 30ہزار سے زائد مسلمانوں کی قیمتی جانیں ضائع ہوئیں۔

2۔ دعوتی اور تبلیغی سر گرمیوں میں رکاوٹیں کھڑی ہوئیں، بہت سے اہل علم کو قتل کر دیا گیا اور اتنے ہی علمائے کرام کو قید و بند کی صعوبتیں جھیلنا پڑیں، اور بقیہ کے گرد زندگی کا دائرہ تنگ ہو گیا، لہٰذا اہل خیر کا بہت نقصان ہوا اور دعوتی سر گرمیاں منجمد ہو کر رہ گئیں۔

❀❀❀❀

چوتھا مبحث:

1413ہجری میں سانحہ الجزائر 1991ء

الجزائر میں سلفی دعوت فرانسیسی استعمار کے دنوں میں اہل علم کے ہاتھوں پھیلی، اس دعوت کے مرکزی کردار فضیلۃ الشیخ عبدالحمید بن بادیس اور محمد البشیر ابراہیمی اور دیگر علمائے کرام تھے، پھر جب الجزائر فرانسیسی استعمار سے آزاد ہوا تو یہ تحریک تحلیل کر دی گئی۔

اس کے بعد اسلامی تحریکوں نے الجزائر میں اپنی سرگرمیاں شروع کیں لیکن ان سب تحریکوں کے ہاں عقیدہ توحید اور دعوتِ توحید کو کہیں بھی جگہ نہیں ملی، جس کی وجہ سے معاشرے میں پائی جانے والی بدعات اور خرابیاں جوں کی توں باقی رہیں، جبکہ دیگر معاملات میں تھوڑی بہت معمولی سے بہتری دیکھنے میں آئی۔

اس کے بعد 1400ہجری یعنی 1980ء میں ایک نوجوان "علی بن حاج" رونما ہوا، اس نوجوان نے سلفی عقیدہ پڑھا اور پھر ایک عرصے تک اسے پڑھاتا رہا، لیکن اس نے اپنے سیاسی میلان کی وجہ سے اس عظیم عمل کو خراب کر لیا، یہاں تک کہ ابویعلی کے ساتھیوں نے حکومت کے خلاف مسلح بغاوت کر دی اور پھر سرکاری اداروں نے اسے پکڑ کر جیل میں ڈال دیا۔

سلفی دعوت منصہ شہود پر رونما ہونے لگی اور یہ سنہری دور تقریباً 5سال تک جاری رہا، اس عرصے میں بہت بہتری دیکھنے میں آئی، سلفی عقیدے پر مشتمل بہت سی کتابیں لوگوں میں مقبول ہونے لگیں اور شرک وبدعات کا خاتمہ ہونے لگا، اور اسلامی امور اس طرح سے عیاں ہونے لگے کہ پہلے ایسے رونما نہیں ہوئے تھے، مثلاً: خواتین پردہ کرنے لگیں، نوجوان ڈاڑھی بڑھانے لگے اور اپنا لباس ٹخنوں سے اونچا رکھنے کا رواج عام ہوا، پورا ملک امن وامان کا گہوارہ بن گیا، پارلیمنٹ میں پہلی بار شراب اور خواتین کی کھیلوں میں شرکت پر پابندی لگانے

کے متعلق بحث ہوئی۔

تاہم یہ سنہری دور زیادہ دیر نہ چل سکا؛ کیونکہ علی بن حاج جس وقت سن 1406 یعنی 1986ء میں جیل سے باہر آیا اور اس وقت تک وہ بہت سی نظریاتی اسلامی تحریکوں سے متاثر ہو چکا تھا تو اس نے دوبارہ سے حالات خراب کرنا شروع کیے، تقسیم در تقسیم کی پالیسی اپنائی اور اس طرح 5 اکتوبر 1988ء بمطابق 1409 ہجری کا سانحہ پیش آیا۔

اس کے بعد ایک نئی تحریک اٹھی جس کا نام تھا: "الجبهة الإسلامية للإنقاذ" اس کے مرکزی رہنما علی بن حاج اور عباسی مدنی تھے، اس تحریک سے منسلک ہونے والے جذباتی لوگ کی تعداد روز بہ روز بڑھتی چلی گئی، لیکن افسوس کے ساتھ اس تحریک نے سلفی عقیدے کی نشر و اشاعت کے لیے کوئی اقدامات نہیں کئے۔ برائیوں، بدعات اور شرکیہ امور کے پر امن خاتمے کے لیے کوئی اقدامات نہیں کئے؛ کیونکہ اس تحریک کا ہدف دیگر سلفی منہج سے عاری جماعتوں کی طرح یہ بن چکا تھا کہ کسی طرح زمام حکومت سنبھالی جائے، اس نئے نام سے بننے والی تحریک نے ماضی سے بالکل سبق نہیں سیکھا۔

"الجبهة الإسلامية للإنقاذ" نے بلدیاتی انتخابات میں حصہ لیا اور کامیابی حاصل کی اس طرح اس تحریک کے عزائم مزید پختہ ہو گئے اور نہیں یہ گھمنڈ ہونے لگا کہ اب ہم پارلیمنٹ میں پہنچ کر زمام حکومت ہاتھ میں لے سکتے ہیں۔

پھر سن 1411 ہجری یعنی 1990ء میں ملکی حکومت کی جانب سے انتخابی دستور تبدیل کر دیا گیا، جسے "الجبهة الإسلامية للإنقاذ" نے سمجھا یہ اقدام ہمیں دیوار سے لگانے کے لیے کیا گیا ہے اس پر انہوں نے عام ہڑتال اور دھرنے کا اعلان کر دیا۔

بہت سے اہل علم نے انہیں اس راستے پر چلنے سے روکا اور نصیحت کی کہ صحیح عقیدے کی تعلیم پر توجہ مرکوز رکھیں، ان اہل علم میں شیخ البانی سب سے قابل ذکر ہیں، البانی کا الجزائر میں دعوتی امور کے ساتھ انتہائی گہرا تعلق تھا، اور علی بن حاج شیخ البانی کا سامنا کرنے کتراتا تھا،

چنانچہ پہلی بار جب شیخ البانی اردن گئے اور علی نے ملاقات کرنے سے انکار کر دیا، لیکن دوسری بار جب اردن پہنچے تو البانی سے چار وناچار ملاقات کرنی پڑی، لیکن اس پر علی بن حاج نے یہ کہہ دیا کہ ریکارڈنگ نہیں کرنی، پھر اس ملاقات میں ایسی باتیں ہوئیں کہ جن سے واضح ہوتا تھا کہ علی بن حاج البانی کی نصیحت قبول ہی نہیں کرنا چاہتا۔

اس ملاقات میں البانی نے اس سے پوچھا:

تمہارے کتنے ساتھی ہیں؟

علی: دس لاکھ۔

البانی: کیا سب کو معلوم ہے کہ اللہ تعالی آسمانوں سے بھی اوپر ہے؟

علی: نہیں

تو البانی کو معلوم ہو گیا کہ یہ تحریک تنکے کے سہارے پر ہے، جلد ہی اس کے پیچھے چھپے امور واضح ہو جائیں گے۔

اسی طرح شیخ البانی نے اس سے پوچھا:

البانی: تمہارے ساتھ کتنے عالم دین ہیں؟

علی: کوئی نہیں!

تو البانی سمجھ گئے کہ یہ تحریک جہالت پر مبنی ہے، اس تحریک کے نتائج مثبت نہیں ہوں گے اور اس کا کوئی فائدہ نہیں ہوگا؛ کیونکہ اس تحریک کے لوگ اہل علم کی نصیحت سننا ہی نہیں چاہتے۔

انہیں سمجھانے کے لیے شیخ ابن باز، شیخ ابو بکر الجزائری، شیخ عدنان عرعور، شیخ عبدالمالک الجزائری اور دیگر سلفی علمائے کرام نے بھی کوششیں کی تھیں۔

جلد از جلد زمام حکمرانی تک پہنچنے کے لیے "الجبهة الإسلامية للإنقاذ" نے کچھ کمیونسٹ اور قوم پرست سیاسی جماعتوں سے اتحاد کر لیا اور اپنے بنیادی اصول وضوابط سے بھی

دستبردار ہو گئے تاکہ زمام حکمرانی مل سکے، چنانچہ 1991ء یعنی 1411 ہجری میں "الجبهة الإسلامية للإنقاذ" پارلیمنٹ سطح کے انتخابات میں پہلے مرحلے کے اندر کامیاب ہو گئے۔

اس پر حالات نے برق رفتاری کے ساتھ پانسا پلٹا اور وہی ہوا جس کا خدشہ تھا چنانچہ الجزائر کے صدر ابن جدید نے استعفیٰ دے دیا اور نئی حکومت بن گئی، بڑے ممالک نے فوری طور پر دخل اندازی کی، اب "الجبهة الإسلامية للإنقاذ" کے پاس یہی راہ تھی کہ مسلح بغاوت کر دی جائے اور دعوت و جہاد کے نام پر اسلحہ اٹھایا جائے، پھر ان میں سے بہت سے لوگوں نے تکفیر سوچ اپنا لی، اس کے بعد قتل و غارت کے انتہائی اندوہناک واقعات رونما ہوئے، بم دھماکے، دہشت گردی، اور مال و دولت لوٹا جانے لگا، اس طرح یہ تحریک بھی صرف تین سال قائم رہنے کے بعد اپنے انجام کو پہنچی۔

اس تحریک کے نتائج

1۔ اس تحریک کی وجہ سے قتل و غارت کا بازار گرم ہوا اور تقریباً ایک لاکھ کے قریب انسان اس کا نشانہ بنے۔
2۔ اسلامی دعوت اور اسلامی بیداری کی رونما ہوتی کرن بھی ختم ہو گئی اور حالات پھر دوبارہ پیچھے کے جانب چلے گئے۔
3۔ گمراہ کن نظریات اور تکفیری سوچ پروان چڑھی۔
4۔ پرامن لوگوں کو دہشت زدہ کیا گیا اور لوگ دیندار افراد سے بغض کرنے لگے کیونکہ ان سے مشابہت رکھنے والے لوگوں نے سنگین قسم کے جرائم کا ارتکاب کیا۔

❀❀❀❀

پانچواں مبحث:

1419ہجری میں القاعدہ کا فتنہ 1998ء

اسامہ بن لادن امیر ترین نوجوان تھا یہ ستر کی دہائی کے آخر میں صدائے جہاد پر لبیک کہتے ہوئے افغانستان چلا گیا اس وقت افغانی باشندے سوویت یونین کے خلاف بر سرِ پیکار تھے، اسامہ بن لادن علم دوست شخص نہیں تھا اور نہ ہی اہل علم سے اس نے دینی تعلیم حاصل کی تھی، محض اس کی امیری نے اسے شہرت دلائی۔

افغانستان میں رہتے ہوئے اسامہ بن لادن تکفیری سوچ سے متاثر ہوا اور اہل تکفیر کو بھی افغانستان میں خوب زر خیز زمین ملی، افغانستان کا اس وقت ماحول بھی تکفیر سوچ پھیلانے کے لیے انتہائی مناسب تھا، بلکہ کچھ ملکوں کے بھگوڑے بھی جب افغانستان میں پہنچے تو اہل تکفیر کو انہیں اپنے ساتھ ملانے میں کوئی محنت نہیں کرنی پڑی۔

اس فتنے کے ظہور پذیر ہونے اور اس کے لیے راہ ہموار کرنے کا کام قطبی [یعنی سید قطب کے] نظریات نے کیا، انہیں عرب معاشرے میں "سُرُوری" بھی کہا جاتا ہے، یہ سلفی نظریات ہونے کا دعوی کرتے ہیں لیکن سلفیت کا ان سے کوئی تعلق نہیں۔

انہوں نے کچھ سلفی نوجوانوں کو عقیدہ توحید کی دعوت دکھلا کر آہستہ آہستہ اپنے ساتھ ملا لیا، یہ لوگ سلفی نوجوانوں کے سامنے اسماء وصفات کے متعلق اہل سنت والجماعت اور سلفی منہج کے مطابق چلتے تھے، تو اس چیز سے سلفی نوجوانوں کو دھوکا لگا اور وہ سید قطب کے فکری نظریات کے اسیر بن گئے، انہی نظریات میں اسلامی معاشروں کو جاہلیت سے موصوف کیا گیا ہے۔

سید قطب کے پیروکاروں کو اسلامی معاشرے کی دو بنیادی چیزوں سے عوام الناس کا اعتماد ختم کرنے میں کامیابی ملی: علمائے کرام اور حکمران طبقہ، چنانچہ انہوں نے علمائے کرام

سے لوگوں کو بد ظن کرنا شروع کیا اور اس کے لیے یہ بات گھڑی کہ: علمائے کرام کو عصرِ حاضر کے تقاضوں اور حقائق کا علم نہیں ہے، یہ طبقہ سیاست سے نابلد ہے، یا اسی طرح کے دیگر الزامات لگائے اور لوگوں کا علمائے کرام سے اعتماد ختم کر دیا۔

اس کے بعد کچھ حکام سے سر زد ہونے والی غلطیوں کو لے کر انہیں صرف بڑھا چڑھا کر بیان کرنا ہی شروع نہیں کیا بلکہ اس کی بڑے منظم انداز سے خوب تشہیر بھی کی، ان کی مجلسوں اور محفلوں کا موضوعِ سخن ہی یہی ہوتا تھا، یہاں تک کہ حکمران اور رعایا کے مابین بھی انہوں نے ایک خلیج کھڑی کر دی۔

اسی طرح جب 1411 ہجری 1990ء میں خلیج کا پہلا بحران پیدا ہوا تو راسخ علمائے کرام نے یہ فتوی جاری کیا کہ [نظریہ ضرورت کی ایک شق] "دو خرابیوں میں سے ہلکی کا ارتکاب کرنا جائز ہے" کی بنیاد پر کہا کہ عیسائیوں سے مدد لی جاسکتی ہے، تو سید قطب کے ماننے والوں نے اسے غنیمت سمجھا اور کہنے لگے کہ یہ دیکھو ہماری ماضی کی باتوں کی دلیل آج روزِ روشن کی طرح عیاں ہے، انہیں ان حالات میں لوگوں کو علمائے کرام سے دور کرنے کا بہت بڑا موقع مل گیا، مزید بر آں انہوں نے علمائے کرام کے خلاف خوب جھوٹا پراپیگنڈہ بھی کیا۔

پھر انہوں نے لندن[1] میں "المنتدى الإسلامي" قائم کی وہاں سے بزعم خویش ایک مجلہ بنام: "السنَّة" کا اجرا کیا حالانکہ یہ حقیقت میں فتنوں اور بدعات سے بھرا ہوا مجلہ تھا، اس میں اہل علم اور حکمرانوں سے عوام کو دور کرنے پر خوب زور دیا گیا۔

پھر حکمران اور امیر کی صورت میں لوگوں کی فطری ضرورت کو پورا کرنے کے لیے سید قطب کے پیروکاروں نے کچھ مشائخ جنہیں وہ "بیداری کے علماء" کہتے تھے نوجوانوں کو متوجہ کرنا شروع کر دیا، ان کے آگے پیچھے اتنے بڑے بڑے القاب لگائے کہ حقیقت اس کے

---

(1) یہاں ذرا غور کریں کہ کس جگہ سے انہوں نے اپنا مجلہ: "السنّة" کا اجرا کیا، غیر مسلم ملک سے، انہی کے حصار میں، اسلامی ممالک اور سلطنتوں کے سقوط میں ملوث تمام کی تمام تحریکیں اسی نہج پر چلتی رہی ہیں، جیسے کہ سلطنت عثمانیہ کا سقوط بھی اسی طرح ہوا تھا، عقل کے ناخن لو اگر عقل ہے تو!

دسویں حصے تک بھی نہیں پہنچتی تھی، انہیں علامہ، عصرِ حاضر کے ابن تیمیہ اور دیگر مبالغہ آمیز القاب دیئے گئے۔

اسامہ بن لادن اور ان کے ساتھیوں کو اپنی خارجی فکر کی ترویج کے لیے ساز گار ماحول میسر آگیا اور نوجوانوں کی ایک بڑی تعداد بھی ان افکار کو قبول کرنے کے لیے تیار مل گئی، اس کے ساتھ ساتھ جلتی پر تیل کا کام کچھ مسلم خطوں پر کفار کے تسلط نے کیا، اب جو بھی شخص سر زمین افغانستان کی جانب آتا تو وہ یہی فکر اور سوچ قبول کر لیتا تھا۔

1419 ہجری بمطابق 1998ء میں دوسری خلیجی جنگ ہوئی جس میں امریکہ نے عراق پر گولہ باری کی تھی اس کے بعد "الجبهةالإسلامية العالمية لجهاد اليهود والصليبيين" نامی ایک نئی تنظیم وجود میں آئی جس کا بعد میں "القاعدہ" کا نام رکھا گیا، اس تنظیم کی بنیاد رکھنے والے لوگ درج ذیل تھے:

1۔ اسامہ بن لادن اور ان کے ساتھی

2۔ مصری جماعت اسلامی، ان کی نمائندگی ایمن ظواہری اور رفاعی طہ کے ذمے تھی۔

3۔ بنگلہ دیش کی جہادی تنظیم جس کی نمائندگی فضل الرحمن نے کی۔

4۔ پاکستان سے علمائے کرام کی جماعت جن کی نمائندگی امیر حمزہ نے کی۔

ان تمام ارکان نے تاسیسی اعلامیہ میں یہ واضح طور پر لکھا جسے بعد میں ابلاغی ذرائع میں بھی شائع کیا گیا کہ:

"ہم مندرجہ بالا وجوہات اور اللہ تعالی کے حکم کی تعمیل کرتے ہوئے تمام مسلمانوں کے لیے یہ فتوی جاری کرتے ہیں کہ: امریکی اور ان کے اتحادی عام شہری(1) ہوں یا فوجی سب کو روئے زمین پر کسی بھی جگہ قتل کرنا ممکن ہو تو ان کا قتل فرض عین

---

(1) یہاں ذرا غور کریں کہ: عام شہریوں کو بھی قتل کرنے کا حکم دے رہے ہیں؛ کیونکہ یہ سمجھتے ہیں کہ انہیں کسی قسم کا امان حاصل نہیں ہے؛ کیونکہ ان کے ہاں تمام اسلامی ممالک کفریہ ممالک ہیں، خارجی اپنے علاقوں کو اسلامی خطہ اور دیگر علاقوں کو علاقہ کفر کہتے ہیں۔

ہے، یہ فتویٰ مسجد اقصیٰ اور مسجد الحرام کے آزاد ہونے تک جاری وساری رہے گا۔"

آگے چل کر مزید لکھا کہ "ہم اللہ کے حکم سے اللہ تعالیٰ پر ایمان اور اسی سے ثواب کی امید رکھنے والے تمام مسلمانوں کو دعوت دیتے ہیں کہ امریکیوں کے قتل کے لیے حکمِ الٰہی کی تعمیل کریں، امریکی کہیں بھی ملے اسے لوٹ لیں اور قتل کر دیں، جہاں تک ممکن ہو سکے ان کا خاتمہ کریں[1]، اسی طرح ہم تمام مسلم علمائے کرام، قائدین، نوجوانوں اور فوجیوں کو دعوت دیتے ہیں کہ امریکی فوجیوں اور امریکی اتحادیوں[2] کے خلاف حملے شروع کر دیں، اور انہیں دوسروں کے لیے نشانِ عبرت بنا دیں، تاکہ وہ بھی کچھ سبق سیکھ لیں"

گمراہ کن نظریات کی حامل اس جماعت نے بہت سی دہشت گردانہ کاروائیاں کیں، جن میں نیروبی میں امریکی سفارت خانے کو دھماکے سے اڑایا، یمن میں یو ایس ایس کول [بحری جنگی جہاز] پر خودکش حملہ کیا، دیگر اسلامی ممالک میں دھماکے کئے اور پھر سانحہ نیویارک رونما ہوا، پھر اس کے بعد مختلف ممالک میں بم دھماکے بھی ہوئے اور آج تک ہم اس خارجی تنظیم کے اثرات برداشت کر رہے ہیں۔

اس تنظیم کے نتائج

1۔ انہوں نے بم دھماکوں اور رہائشی عمارتیں تباہ کر کے مسلمانوں کا قتل عام کیا، پر امن لوگوں کو دہشت زدہ کیا اور خوب دنگا فساد پھیلایا[3]۔

---

(1) اس کی وجہ ہم پہلے بھی ذکر کر چکے ہیں کہ خارجیوں کے ہاں اسلامی ملک صرف اور صرف ان کا اپنا علاقہ ہے، اسامہ بن لادن نے سانحہ نیویارک کے بعد صراحت کے ساتھ یہ کہا تھا کہ: "لوگ دو گروہوں میں تقسیم ہو گئے ہیں: ایک گروہ مومنوں کا ہے ان میں منافقت نہیں ہے اور ایک گروہ کافروں کا ہے ان میں ایمان نہیں ہے" یعنی مطلب یہ ہے کہ: سانحہ نیویارک میں ہماری تائید کرنے والا مومن ہے اور ہماری مخالفت کرنے والا کافر ہے، اور حقیقت میں اس طرح لوگوں کو کافر قرار دینے کے بعد پیچھے کچھ بھی نہیں بچتا۔

(2) اس سے ان کی مراد مسلمان حکمران اور ان کی زیر اطاعت آنے والے عام شہری، فوجی اور پولیس الغرض تمام لوگ شامل ہیں، یعنی اس طرح وہ مسلمانوں کی تکفیرِ عام کرتے ہیں۔

(3) یہاں ذرا غور کریں کہ ان کی دعوت اس بنیاد پر قائم تھی کہ خونِ مسلم کی حفاظت کی جائے لیکن سب سے پہلے انہوں نے مسلمانوں کی ہی خونریزی کی۔

2۔ انہوں نے غیر مسلم قوتوں کو اسلامی خطوں پر دہشت گردی کے خاتمے کے نام پر اپنا تسلط جمانے کا موقع فراہم کیا، اس کی وجہ سے ہزاروں مسلمانوں کی جانیں ضائع ہوئیں اور مسلم ممالک کفار کے زیر تسلط چلے گئے۔

3۔ مسلمان مزید کمزور ہوئے اور ان میں انتشار پیدا ہوا۔

4۔ اسلام کی روشن صورت مسخ ہوئی اور بہت سے لوگ اسلام کو بمعنی دہشت گردی اور وحشیت سمجھا جانے لگا[1]۔

5۔ اپنے دین کو بچا کر جو مسلمان غیر مسلم علاقوں میں ہجرت کر گئے ان پر وہاں زندگی کا دائرہ تنگ کر دیا گیا۔

6۔ پوری دنیا میں جو رفاہِ عامہ اور دعوتی منصوبے جاری تھے وہ سب کے سب ٹھپ ہو گئے۔

7۔ مسلم معاشروں میں تکفیر اور دھماکوں کا عام رواج ہوا۔

8۔ اسلامی ممالک میں امن وامان سبوتاژ ہوا تو اس سے دعوتی سر گرمیوں پر منفی اثرات پڑے۔

9۔ چونکہ خارجی اور تکفیری ٹولہ اپنے آپ کو سلفی منہج سے منسلک کرتا تھا اس سے صوفی اور رافضی فرقے کو آگے آنے کا موقع ملا، انہوں نے سلفی منہج کے خلاف طعن و تشنیع کا بازار گرم کیا، القاعدہ کے رونما ہونے سے لبرل، آزاد خیال اور اباحیت پسند اسلام مخالف تمام نظریاتی دھڑے اور گروہ خوش ہوئے۔

❀❀❀❀

(1) حالانکہ رسول اللہ ﷺ بسا اوقات حد کے مستحقین پر حد نافذ نہیں کرتے تھے صرف اس لیے کہ لوگوں کی نظروں میں اسلام کی روشن تصویر مسخ نہ ہو، جیسے کہ رسول اللہ ﷺ نے عبداللہ بن ابی بن سلول اور ذو الخویصرہ پر حد قائم نہیں فرمائی۔ اسی طرح آپ ﷺ نے کچھ کام شرعی مصلحت کی بنا پر نہیں کئے جیسے کہ آپ ﷺ نے کعبہ کی از سرِ نو صحیح بنیادوں پر تعمیر نہیں فرمائی اور اس میں سے مشرکوں کی جانب سے کی گئی تبدیلی کا خاتمہ نہیں فرمایا، یہ سب امور اس لیے کہ لوگوں کے دل اس دین سے متنفر نہ ہوں، اب فیصلہ آپ خود ہی کریں کہ رسول اللہ ﷺ نے دین اسلام کو کسی بھی دھبے سے بچانے کیلیے کیا اقدامات کئے اور انہوں نے کیا گل کھلائے ہیں!

تیسرا باب:

عصرِ حاضر میں خروج کی صورتیں

تمہید

پہلے ہم نے خوارج کا تذکرہ کرتے ہوئے ان کی کارستانیاں ذکر کیں جن کی وجہ سے ان کی شریعت میں مذمت کی گئی ان کی اقسام اور دھڑے بندیوں کا بھی ذکر کیا، اسی طرح ان سے متعلقہ احکامات اور زمانہ قدیم وجدید میں رونما ہونے والی خارجیوں کی تحریکیں اور تنظیمیں بھی ذکر کیں، ان کی بغاوت پر مشتمل تحریکوں اور ان کے نتائج کا تذکرہ بھی کیا، ان تمام تر امور کو ذکر کرنے کے بعد ایک ایسے باب کی ضرورت تھی جس میں سابقہ بیان شدہ چیزوں کا فائدہ ذکر ہو، اور وہ یہ ہے کہ ان کے ہمنوا بننے سے حتی الامکان کوشش کریں۔

چنانچہ سابقہ تفصیلات کی روشنی میں میں دورِ حاضر میں خروج کی صورتیں ذکر کروں گا، تاکہ ہم اپنی آنے والی نسلوں کو ان سے بچا سکیں۔

❀❀❀❀

پہلا مبحث:

علمائے کرام کے فہم کو اہمیت نہ دیتے ہوئے اپنے فہم کو ترجیح دینا

جتنے بھی فتنے اور باغی تحریکیں پیدا ہوئی ہیں سب کی بنیاد یہی تھی، اس کی تفصیلات پہلے گزر چکی ہیں کہ ذاتی فہم کو ترجیح دینا سنگین ترین منہجی غلطی ہے۔

ہم پہلے یہ چیز دیکھ چکے ہیں کہ فتنوں اور مشکل حالات میں علمائے کرام سے رابطہ منقطع کرنا ماضی کی تمام باغی تحریکوں کی بنیاد رہا ہے ہم یہ دوسری فصل میں ذکر کر چکے ہیں، آپ سیدنا عثمان کے خلاف بغاوت کرنے والوں سے لیکر القاعدہ کے فتنے تک نظر دوڑالیں سب کی سب تحریکوں اور تنظیموں میں قدر مشترک یہی نظر آئے گی کہ انہوں نے اہل علم اور علمائے کرام سے رہنمائی نہیں لی، حالانکہ سیدنا عثمان کے دور میں ایسے صحابہ کرام اور اہل علم موجود تھے جن کی علمی صلاحیتوں پر ساری امت کا اتفاق ہے، تمام لوگوں کے ہاں اللہ تعالی نے انہیں قبولِ عام عطا فرمایا تھا۔

چنانچہ عثمان کے خلاف بغاوت کرنے والوں نے صحابہ کرام کے فہم کو نہیں مانا بلکہ ان کے متعلق زبان درازی کی۔

ان کے بعد رونما ہونے والے خارجیوں نے یہی طرزِ عمل اپنایا بلکہ ان سے بھی آگے بڑھتے ہوئے صحابہ کرام کو- نعوذ باللہ-کافر ہی کہہ دیا۔

اسی طرح سانحہ حرّہ میں بھی باغی لوگوں نے ابن عمر اور نعمان بن بشیر جیسے صحابہ کرام اور تابعین ابن مسیب وغیرہ کی بات نہ مانی۔

ایسے ہی ابن اشعث اور ابن مہلب کے ساتھیوں نے بھی حسن بصری اور مجاہد سمیت نامور علمائے کرام کی نصیحتوں پر کان نہیں دھرا، حالانکہ انہوں نے بڑے صاف لفظوں میں فتنے میں ملوث ہونے سے روکا تھا۔

یہی حال حماہ، جہیمان، الجزائر اور القاعدہ وغیرہ تمام معاصر فتنوں کا تھا؛ کیونکہ انہوں نے بھی تمام کے تمام فتنوں میں اہل علم اور کبار علمائے کرام کی باتوں پر اعتماد کرنے روکا انہیں ان کے بارے میں بد ظن کیا، خصوصا جن مسائل میں انہیں رہنمائی کی ضرورت تھی ان میں بھی انہیں استفادے کا موقع نہیں دیا۔

اگر وہ ان تمام فتنوں میں علمائے کرام کی باتوں پر عمل کرتے اور اپنی بیمار فکر اور فہم پر گھمنڈ کرتے ہوئے نہ چلتے تو کوئی بھی فتنہ کھڑا نہ ہوتا؛ کیونکہ نبی ﷺ نے تباہ کن امور واضح کرتے ہوئے جن چیزوں کا ذکر کیا ہے ان میں یہ بھی ہے کہ: (انسان اپنے بارے میں گھمنڈ کرے)[1]

❀❀❀❀

(1) اس روایت کو دیگر اہل علم کے علاوہ طبرانی نے "الاوسط"(47/6) میں روایت کیا ہے اور سلسلہ صحیحہ (1802) میں اسے حسن قرار دیا ہے۔

دوسرا مبحث:

نااہل اور جاہل لوگوں کو علامہ فہامہ بنا کر پیش کرنا اور ان کے موقف کو عوام میں مقبول کرنے کے لیے خوب القابات دینا

اہل علم اور راسخ علمائے کرام کو دیگر ایسے لوگوں سے ممتاز رکھنا چاہیے جو علم و عمل میں پختہ نہیں ہیں لیکن اپنے آپ کو علامہ فہامہ کہلوانا پسند کرتے ہیں، لوگوں کی زبانوں سے اپنے بارے میں بڑے بڑے القابات اور قد کاٹھ بنوانا ان کا مشغلہ ہوتا ہے، اس طرح ان دونوں قسموں کے درمیان فرق کرنے کا بہت فائدہ ہوتا ہے؛ کیونکہ اگر اس طرح فرق روا نہ رکھا جائے تو اس سے بہت ہی نقصانات ہوتے ہیں؛ کہ ایسے لوگوں کو مسند فتوی مل جاتی ہے جو حقیقت میں اس کے اہل ہی نہیں ہیں، وہ عقائد اور فروعی مسائل میں سلفی منہج پر نہیں ہوتے، نتیجے میں شرعی احکامات تبدیل ہونے کی صورت میں رونما ہوتا ہے اور دینی اقدار کھوکھلی ہو جاتی ہیں، فائدے کی بجائے نقصان اٹھانا پڑتا ہے، نت نئے فتنے جنم لیتے ہیں اور یہی کچھ آج کل ہو رہا ہے۔

رسول اللہ ﷺ کا فرمان ہے: (اللہ تعالی علم کو بندوں سے یک لخت نہیں اچک لے گا، بلکہ علم قبض کرنے کے لیے علمائے کرام کو اٹھالے گا، یہاں تک کہ جب کوئی بھی عالم باقی نہیں رہے گا تو لوگ جاہلوں کو اپنے سربراہ بنا لیں گے، پھر جب ان سے پوچھا جائے گا تو وہ بغیر علم کے فتوے جھاڑیں گے، خود تو گمراہ تھے ہی دوسروں کو بھی گمراہ کریں گے)[1]

نت نئے پیدا ہونے والے مسائل، جہاد اور جنگ بندی جیسے حساس امور کے متعلق فتوی نویسی ایسے نہیں ہوتی جیسے کہ طہارت، نماز اور دیگر جزوی مسائل کے متعلق ہوتی ہے؛

(1) بخاری: (100) مسلم: (2673)

کیونکہ اول الذکر میں صرف راسخ العلم، مصالح و مفاسد پر گہری نظر رکھنے والے اہل علم ہی گفتگو کر سکتے ہیں، جنہیں اس بات کا ادراک ہو کہ دو یکساں امور میں ترجیح کسے دی جاتی ہے؟ اس آخری بات کی فتنوں کے وقت ضرورت اور اہمیت بہت زیادہ ہوتی ہے، حتی کہ مخصوص فتنوں کے متعلق وارد شدہ نصوص کی معرفت سے بھی زیادہ اس آخری بات کی ضرورت ہوتی ہے۔

یہی وجہ ہے کہ حسن بصری کہتے ہیں:

"جب فتنے سر اٹھاتے ہیں تو صرف اہل علم کو ہی ان کا ادراک ہوتا ہے، لیکن جب فتنے چھٹنا شروع ہو جاتے ہیں تو تب ہر جاہل کو اس کا علم ہوتا ہے"[(1)]

ابن قیم کہتے ہیں:

"اگر راسخ العلم شخصیت پر سمندروں کی موجوں کی طرح پے در پے شبہات وارد کئے جائیں تو بھی اس کے یقین میں رخنہ نہیں پڑتا اور نہ ہی شکوک پیدا ہوتے ہیں؛ کیونکہ اس کا علم پختہ ہو چکا ہے اور شبہات اسے برانگیختہ نہیں کر سکتے، بلکہ کوئی بھی شبہ وارد ہو تو اس کے علم کے سامنے پاش پاش ہو جاتا ہے"[(2)]

یہی وجہ ہے کہ راسخ العلم لوگ ہی فتنوں میں ثابت قدم رہتے ہیں، وہ جلد بازی سے کام نہیں لیتے بلکہ مکمل چھان پھٹک کرتے ہیں، انہیں جذبات اپنا اسیر نہیں بنا سکتے اور نہ ہی کوئی انہیں برانگیختہ کر سکتا ہے۔

چنانچہ فتنوں کے دور میں جن اہل علم سے رجوع کیا جائے ان کی پہچان پہلے سے ہونی چاہیے اس طرح ثابت قدمی کے امکان بہت زیادہ روشن ہو جاتے ہیں اور انسان اگر کسی فتنے میں ملوث ہو بھی جائے اس کے لیے واپسی کا راستہ باقی ہوتا ہے۔

---

(1) اسے اثر کو ابن سعد نے طبقات (166/7)، ابو نعیم نے حلیہ میں (24/9) اور دیگر اہل علم نے سے روایت کیا ہے۔

(2) مفتاح دار السعادۃ (140/1)

جن علامات کی وجہ سے انسان کسی راسخ العلم شخصیت کو دوسروں سے ممتاز کر سکتا ہے بہت زیادہ ہیں، یہاں ان کے ذکر کرنے کی جگہ نہیں ہے، میں صرف ایک بات کی طرف اشارہ کروں گا کہ لوگوں میں ان کے علم ورسوخ کے چرچے زبان زدعام ہوتے ہیں، اللہ تعالی نے لوگوں میں ان کا تعارف ہی اس بات سے کروایا ہوتا ہے کہ فلاں عالم فتوی دینے کی اہلیت رکھتا ہے۔

شیخ حمد بن ناصر معمر فتوی صادر کرنے کی صلاحیتیں بیان کرتے ہوئے کہتے ہیں:

"شیخ تقی الدین اور ابن صلاح نے کسی شخص کی شہرت کو ہی معتبر سمجھا کہ لوگ اسے فتوی صادر کرنے کا اہل سمجھیں، اسی بات کو امام نووی نے "الروضة" میں نقل کیا ہے اور اسی کو شافعی فقہائے کرام کی جانب منسوب کیا اور مزید کہا: چنانچہ اس بنا: اگر کوئی شخص علم دوست ہے، تدریس وغیرہ بھی کرتا ہے تو محض انہی امور پر کسی کو فتوی صادر کرنے کی اجازت نہیں دی جاسکتی، خصوصاً آج کل کے دور میں کیونکہ جہالت بہت بڑھ چکی ہے، اس وقت حقیقی تشنگانِ علم کی کمی ہے اور جاہل قسم کے طلبا منصب قضا اور افتاء سنبھالے ہوئے ہیں"(1)

میں یہ سمجھتا ہوں کہ یہاں پر ایسی علامات کا ذکر کرنا ضروری ہے جن سے راسخ العلم اور دیگر علم دوست شخصیتوں میں فرق ممکن ہو سکے اور واضح ہو کہ کون سلف کے منہج پر قائم ہے اور کون اپنے آپ کو بڑا کہلوانا چاہتا ہے جن کی وجہ سے فتنے پیدا ہوتے ہیں، ان علامات کو بیان کرنے کا اولین مقصد یہی ہے کہ ان سے لوگ بچیں اور دوسروں کو بھی روکیں تاکہ لوگ حقیقی راسخ العلم علمائے کرام سے رجوع کریں، اس طرح سے مستقبل میں نقصانات کم سے کم ہوں گے، کشتی پر امن انداز میں کنارے لگ جائے گی۔

علم کے دعویدار جو کہ حقیقت میں جاہل ہوں ان کو پہچاننے کی کافی علامات ہیں ان میں

---

(1) دیکھیں الاجتهاد والتقليد (47)

سے کچھ کی جانب اشارہ کرتا ہوں:

علم کے دعویداروں کی علامات

پہلی علامت: ایسے لوگ اہل علم کے مشورے اور اجازت کے بغیر اپنے آپ کو مسند فتوی پر براجمان کر لیتے ہیں، اس سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ یہ لوگ دینِ الٰہی کے بارے میں کتنی جسارت اور جرأت سے کام لیتے ہیں؛ کیونکہ فتوی صادر کرنا اصل میں ایک آزمائش ہوتی ہے چنانچہ جس شخص کو اپنے دین کی فکر ہو وہ اس سے حتی الامکان بچنے کی کوشش کرتا ہے، وہ مفتی بننے سے کتراتا ہے، تو جدید مسائل اور فتنوں کے وقت تو اپنے آپ کو مفتی بنانے سے اور زیادہ بچانا چاہیے!

صحابہ کرام کی یہ عام عادت تھی کہ اپنے آپ کو آزمائش میں ڈالنے کی بجائے فتوی دینے سے اجتناب کرتے تھے مبادا کوئی غلط بات دینِ الٰہی کی جانب ہماری وجہ سے منسوب نہ ہو جائے، حالانکہ وہ علم و عمل میں ہم سے کہیں آگے تھے، چنانچہ یہی وجہ ہے کہ اہل علم یہی کوشش کرتے آئے ہیں کہ انہیں فتوی نہ دینا پڑے کوئی اور شخص فتوی دے دے، بلکہ کچھ سلف صالحین سے یہ بھی ثابت ہے کہ وہ حساس مسائل میں فتوی دینے سے گریز کرتے تھے، جیسے کہ سفیان بن عیینہ سے منقول ہے۔

اسی طرح امام احمد بھی کبھی کبھار طلاق کے مسئلے کا جواب نہیں دیتے تھے اور سائل کو واپس بھیج دیتے تھے، یا پھر ابو عبید کی جانب سائل کو بھیج کر کہتے "ایسے سوال کا جواب کون دے؟" اگر طلاق کے مسئلے میں اتنی احتیاط ہے تو انتہائی حساس قسم کے موضوعات جن کا اثر بہت وسیع اور دور رس ہوتا ہے ان میں تو مزید احتیاط کرنی چاہیے؛ چونکہ حساس موضوعات کا تعلق اسلامی جماعتوں، ایمان و کفر، خون، جہاد اور حکمرانوں کے ساتھ ہوتا ہے اس لیے ایسے موضوعات میں خوب احتیاط برتنی چاہیے، فرمانِ باری تعالی ہے:

﴿وَ اِذَا جَآءَهُمْ اَمْرٌ مِّنَ الْاَمْنِ اَوِ الْخَوْفِ اَذَاعُوْا بِهٖ ؕ وَ لَوْ رَدُّوْهُ اِلَى الرَّسُوْلِ

وَ اِلٰٓی اُولِی الْاَمْرِ مِنْھُمْ لَعَلِمَهُ الَّذِیْنَ یَسْتَنْۢبِطُوْنَهٗ مِنْھُمْ ﴾ [النساء:83]

"اور جب کوئی امن کی یا خطرے کی خبر ان تک پہنچتی ہے تو اسے فوراً اڑا دیتے ہیں۔ اور اگر وہ اسے رسول یا اپنے کسی ذمہ دار حاکم تک پہنچاتے تو وہ ایسے لوگوں کے علم میں آ جاتی جو اس سے صحیح نتیجہ اخذ کر سکتے ہیں ۔"

اس آیت میں مسلمانوں کو اللہ تعالی کی جانب سے حکم ہے کہ جدید ترین مسائل اور پر فتن دور میں رجوع کریں تو راسخ العلم علمائے کرام کی جانب، انفرادی حیثیت میں کسی عالم، یا عامی شخص یا مفکر اور سیاسی شخصیتوں، یا بدعتی اور صحیح عقیدے سے منحرف لوگوں کی جانب رجوع مت کریں۔

مذکور بالا آیت کی تفسیر میں سعدی کا موقف پہلے گزر چکا ہے کہ :

"یہاں ایک تربیتی اصول بیان کیا گیا ہے کہ جس وقت کسی معاملے میں بحث و تکرار ہو جائے تو پھر فیصلے کے لیے اس شخص سے رجوع کریں جو معاملہ فہمی مکمل دسترس رکھتا ہو اور اس میں متخصص ہو، پھر اس کی بات کو رد نہ کیا جائے؛ کیونکہ اس کی رائے صحیح موقف کے زیادہ قریب ہو گی اور اس میں غلطی کا امکان کم سے کم ہو گا"(1)

اسی طرح خطیب بغدادی اپنی کتاب: "الفقیہ و المتفقہ" میں کہتے ہیں:

"ایک آدمی ربیعہ کے پاس آیا تو آپ رو رہے تھے، اس شخص نے پوچھا: آپ کیوں رو رہے ہیں؟ وہ شخص ربیعہ کے رونے کی وجہ سے گھبرا گیا اور پھر پوچھا: آپ کو کوئی تکلیف تو نہیں؟ اس پر ربیعہ نے کہا: نہیں مجھے کوئی تکلیف تو نہیں ہے، لیکن آج ایسے شخص سے فتوی پوچھا گیا جس کے پاس علم ہی نہیں ہے، یہ تو اسلام میں بہت ہی سنگین امر ہے۔

---

(1) تفسیر سعدی

میں [خطیب بغدادی] کہتا ہوں کہ: مسلمانوں کے حکمران کو چاہیے کہ مسند افتاء پر براجمان مفتیوں کی چھان پرکھ تسلسل کے ساتھ جاری رکھے، لہٰذا اگر کوئی فتوی دینے کا اہل ہے تو اسے اس کے منصب پر قائم رکھا جائے اور جو اس کا اہل نہ ہو تو حکمران اسے سختی کے ساتھ منع کردے اور حکم عدولی کی صورت میں سخت سزا کی تنبیہ بھی کرے"

اس لیے مبتدئین کو روز مرہ کے عمومی امور میں بھی فتوی دینے سے قبل اہل علم سے مشورہ اور اجازت لے لینی چاہیے، چہ جائیکہ جدید اور فتنوں کے متعلق فتوے صادر کریں۔

امام مالک کہتے ہیں:

"مسند حدیث اور فتوی پر بیٹھنے کا ہر خواہش منداس مسند کا حقدار نہیں ہوتا، اس کے لیے پہلے وہ اہل حل وعقد اور مسجد والوں سے مشورہ کرے، اگر وہ سمجھیں کہ مسند حدیث اور فتوی پر براجمان ہونے کی صلاحیت ہے تو ٹھیک [ورنہ ہرگز یہ اقدام نہ کرے] اسی لے میں بھی اس وقت تک مسند حدیث اور فتوی پر نہیں بیٹھا جب تک میرے بارے میں 70 مشائخ نے یہ گواہی نہیں دے دی کہ میں اس کا اہل ہوں"(1)

اسی طرح ایک اور جگہ کہتے ہیں:

"[ابتدا میں] جب مجھ سے کوئی مسئلہ پوچھا جاتا تو پہلے میں اپنے سے بڑے علمائے کرام سے پوچھتا: کیا میں اس سوال کا جواب دینے کا اہل اور مجاز ہوں؟ چنانچہ اس بارے میں میں نے ربیعہ سے اجازت مانگی ایسے ہی یحیی بن سعید سے اجازت مانگی تو انہوں نے مجھے حکما فتوی دینے کو کہا۔

اس پر کسی نے پوچھ لیا: ابو عبد اللہ! [امام مالک کی کنیت] اگر وہ آپ کو روک

(1) الدیباج از ابن فرحون (21)

دیتے تو؟ امام مالک نے کہا: تو میں رک جاتا؛ کیونکہ کوئی بھی شخص اپنے آپ کو کسی کام کا اہل سمجھنے سے پہلے کسی بڑے سے پوچھ لے کہ کیا میں اس کام کا اہل ہو گیا ہوں؟"(1)

اسی طرح امام شاطبیؒ کہتے ہیں:

"اگر کسی عالم کے بارے میں علمائے کرام گواہی نہ دیں تو اس کا حکم بے علم لوگوں والا ہی ہوتا ہے، حتی کہ کوئی دوسرا شخص اس کے عالم ہونے کی گواہی دے دے، اور اسے خود بھی دی جانے والی گواہی کے متعلق اعتراف ہو، بصورتِ دیگر لاعلم ہونے کا تو اسے یقین ہو گا یا شک ہو گا، تو ہر دو حالت [لاعلمی پر یقین یا شک] میں اپنے آپ کو فتوے کا اہل سمجھنا ہوس پرستی ہے؛ کیونکہ ہونا تو یہ چاہیے تھا کہ اپنے بارے میں کسی سے رائے لے لیتا لیکن اس نے ایسا نہیں کیا، تو اب یہ ہونا چاہیے تھا کہ فتوی نویسی کے لیے اسے کوئی دوسرا شخص چنتا، لیکن اس نے یہ بھی نہیں کیا [تو اب یہی بات باقی رہ جاتی ہے کہ اس نے ہوس پرستی کی وجہ سے من مانی کی ہے]"

مذکورہ بالا علمائے کرام کی گفتگو میں گواہی سے مراد یہ نہیں ہے کہ اہل علم کسی کے بارے میں یہ کہیں کہ وہ محنتی اور لائق طالب علم ہے، بلکہ یہاں پر وہ یہ کہیں کہ فلاں شخص جدید مسائل میں فتوی دینے کا اہل ہے یا اسی طرح کی حسب ضرورت تعبیر استعمال کریں۔

دوسری علامت: جدید مسائل اور فتنوں میں علمائے کرام کی مخالفت کریں، ایسے لوگ محض فتوی جھاڑنے پر ہی اکتفا نہیں کرتے بلکہ نفس مسئلہ میں علمائے کرام کے

---

(1) اس اثر کو بیہقی نے "المدخل" باب: التوقي عن الفتيا والتثبت فيها: (279/2) میں اور اسی طرح: خطیب بغدادی نے الفقیه والمتفقه، باب: القول فيمن تصدى للفتاوى العامة: (154/2) اور ابو نعیم نے حلية الاولياء میں مالک بن انس کے سوانح ذکر کرتے ہوئے بیان کیا ہے۔

فتاوی کی مخالفت کرتے ہیں، اس طرح انہوں نے ایک متفقہ رائے کو اختلافی بنا دیا اور لوگوں کو شش وپنج میں ڈال دیا، اس سے واضح ہوتا ہے کہ یہ لوگ خود پسندی میں مبتلا ہیں اور انہیں اپنے آپ پر گھمنڈ بھی ہے۔

حالانکہ رسول اللہ ﷺ کا فرمان ہے: (تین چیزیں تباہ کن ہیں-انہیں بیان کرتے ہوئے فرمایا- انسان اپنے بارے میں گھمنڈ کرے)[1]

کسی بھی علم سے وابستہ فرد کی علمی گہرائی اس وقت ظاہر اور عیاں ہوتی ہے جب انسان جدید مسائل اور پر فتن حالات میں کبار علمائے کرام کے راستے پر گامزن ہو، حقیقت میں یہی وہ میدان ہے جس میں انسان کا علم نکھر کر سامنے آتا ہے، بالکل اسی طرح جیسے علم حدیث میں ثقہ راوی کی پہچان یہ بھی ہوتی ہے کہ وہ اپنے سے بڑے ثقہ راویوں کی مخالفت نہ کرے۔

لہٰذا اگر کوئی شخص جدید مسائل میں اہل علم کی مخالفت کرے پھر اس پر ضد اور ہٹ دھرمی کا مظاہرہ کرتے ہوئے مناظروں اور بحث و تکرار پر اتر آئے، اپنے مخالفین کو حقارت آمیز لہجے میں مخاطب کرے انہیں بیوقوف قرار دے، تو یہ -اللہ کی پناہ- ہوس پرستی میں شامل ہے، اہل بدعت کا یہی طرۂ امتیاز رہا ہے کہ وہ صرف اپنے آپ کو ہی حق پر سمجھتے ہیں۔

حالانکہ تشنگان علم کا وتیرہ یہ ہوتا ہے کہ وہ اپنی رائے کو حرف آخر نہیں سمجھتے، نیز اپنا موقف اپنانے میں جلد بازی اور جذبات سے کام نہیں لیتے، پھر اگر اپنا موقف بنا بھی لیں تو دوسروں کو اس کے سامنے سرِ تسلیم خم کرنے پر مجبور نہیں کرتے؛ کیونکہ ایسا ممکن ہے کہ ابتدا میں معاملہ اتنا واضح نہ ہو، نتائج کے خد و خال عیاں نہ ہوئے ہوں، لیکن بعد میں یہ سب چیزیں سامنے آنے پر ندامت کا سامنا کرنا پڑے اور غلطیاں ظاہر ہونے لگیں، اب غلط موقف اپنانے کی وجہ سے امت کو جو نقصان پہنچا، وحدت امت میں رخنے پڑے ان سب کی تلافی کے لیے غلط موقف اپنانے کے پیچھے کار فرما حسن نیت کافی نہیں ہو سکتا۔

---

(1) اس حدیث کی تخریج پہلے صفحہ: (159) پر گزر چکی ہے۔

جیسے کہ سہل بن حنیف کہتے ہیں کہ: "لوگو! دینی امور میں رائے زنی سے حتی الامکان بچو؛ کیونکہ اگر اپنی رائے کو بنیاد بنا کر نبی ﷺ کے کسی حکم کو مسترد کرنا چاہتا تو ابو جندل کے واقعے میں کر سکتا تھا"[1]

تیسری علامت: جدید مسائل میں بہت زیادہ چرب زبانی اور بحث و تکرار، آپ انہیں ہر چیز کے بارے میں اپنا موقف بیان کرتے ہوئے ضرور پائیں گے، اور اپنا موقف بیان کرنے کے لیے اخباری بیانات کا سہارا لیں گے، ہر تھوڑے سے وقفے کے بعد ان کا نیا اخباری بیان سامنے آیا ہوا ہو گا، بلکہ اخباری بیان میں اپنے ساتھ دوسروں کو بھی ملائیں گے، ان کی تعداد کا اندازہ آپ یوں لگا سکتے ہیں کہ اگر انہیں یکجا جمع کر دیا جائے تو ایک بڑی کتاب بن جائے۔

فتنوں سے متعلق بہت زیادہ گفتگو کرنے سے بے چینی اور اضطرابی حالت ہی پیدا ہوتی ہے؛ کیونکہ ہر رونما ہونے والے واقعے پر تبصرہ اور موقف بیان نہیں کیا جاتا، زیادہ سے زیادہ یہ کیا جاتا ہے کہ مختصر اور واضح لفظوں میں بیان دیا جاتا ہے جو سب کو سمجھ بھی آ جائے اور خطرات بھی ٹل جائیں، لیکن بہت زیادہ گفتگو، بحث و تکرار، مباحثے اور مناظرے کرنا تو یہ بدعتی اور گمراہ لوگوں کا کام ہے۔

حماد بن زید کہتے ہیں:

"عمرو بن عبید اور شبیب بن شیبہ ایک رات بیٹھے بحث کرتے رہے یہاں تک کہ فجر ہو گئی، پھر جب نماز ادا کر لی تو عمرو بن عبید، شبیب بن شیبہ کو کہنے لگا: ابو معمر

---

(1) اس روایت کو بخاری: (3953) نے نقل کیا ہے، ابو جندل کے واقعے سے مراد یہ ہے کہ صلح حدیبیہ کے موقع پر جب صلح کی شقیں تحریر ہو رہی تھیں تو اسی دوران مکہ سے ابو جندل آنکھ بچا کر نکلنے میں کامیاب ہو گئے اور حدیبیہ کے مقام پر نبی ﷺ کے ساتھ ملنے لگے تو سہیل بن عمرو جو کہ کفار مکہ کا نمائندہ تھا اس نے کہا: محمد ﷺ۔ اس معاہدے کا سب سے پہلے اطلاق ابو جندل پر ہو گا اور آپ اسے ہمارے حوالے کریں گے، اس پر نبی ﷺ نے حامی بھر لی اور مسلمانوں کو اس پر شدید تحفظات تھے، لیکن چونکہ یہ رسول اللہ ﷺ کا حکم تھا اس لیے کسی نے آپ ﷺ کے حکم کی مخالفت نہیں کی۔

[شبیب کی کنیت] آؤ دوبارہ پھر بحث شروع کرتے ہیں، آجاؤ۔

اس پر حماد بن زید نے کہا: جب تم کسی کو دیکھو کہ وہ ہر ایک کے ساتھ مسائل میں بحث و تکرار کرتا ہے اور بات نہیں مانتا، مباحثے سے باز بھی نہیں آتا، تو جان لو کہ وہ گمراہ دل کا مالک ہے، وہ مشتبہ امور کا پیروکار ہے، اس سے بچ کر رہو"[1]

سلف صالحین ہمیشہ سے بہت زیادہ مباحثے اور تکرار سے روکتے چلے آئے ہیں اور اسے اہل بدعت کی امتیازی صفت قرار دیتے ہیں؛ کیونکہ اہل سنت والجماعت کے لیے معاملہ فہمی آسان ہوتی ہے اس لیے انہیں مباحثوں اور مناظروں کی ضرورت نہیں پڑتی، جبکہ گمراہ لوگوں کو معاملہ فہمی میں مشکل ہوتی ہے تو وہ ہر وقت ہی بحث و تکرار میں پڑے رہتے ہیں؛ کیونکہ مشتبہ امور میں تشفی بخش جواب ملنا مشکل ہوتا ہے۔

امام مالک کہتے ہیں:

"علم و حکمت روشنی ہیں، یہ بہت زیادہ مسائل کے ادراک کا نام نہیں ہے بلکہ اللہ تعالی جسے چاہتا ہے اس روشنی سے بہرہ ور فرما دیتا ہے"[2]

اسی طرح بربہاری کہتے ہیں:

"اللہ تعالی آپ پر رحم فرمائے، یہ بات ذہن نشین کر لو کہ: علم بہت زیادہ روایات اور کتابوں کی معرفت کا نام نہیں ہے، بلکہ عالم تو وہ ہے جو علم پر عمل کرے اور سنت کا شیدائی ہو، چاہے اس کے پاس کتابیں تھوڑی ہی کیوں نہ ہوں، چنانچہ کتاب و سنت کا مخالف بدعتی ہے چاہے اس کے پاس کتابوں اور علم کا انبار لگا ہوا ہو"[1]

---

(1) الاعتصام از شاطبیؒ (740)

(2) اس اثر کو ابن عبد البر نے "جامع بيان العلم و فضله" میں نقل کیا ہے: باب: معرفة أصول العلم وحقيقته۔

(1) شرح السنۃ (102)

اسی طرح ابن رجب کہتے ہیں:

"متاخرین میں سے بہت سے لوگ اس بیماری میں مبتلا ہیں کہ کسی ایک مسئلے میں بہت زیادہ مباحثہ، تکرار، بحث اور مناظرے کی کیفیت پیدا کر دیتے ہیں، ان کا یہ ماننا ہے کہ جس شخص میں یہ چیزیں دینی امور کے متعلق جس قدر زیادہ ہوں گی وہ اتنا ہی بڑا عالم ہو گا، حالانکہ یہ خالص جہالت ہے؛ کیونکہ آپ ذرا اکابر صحابہ کرام پر نظر دوڑائیں مثلاً: ابو بکر، عمر، علی، عثمان، ابن مسعود اور زید بن ثابت وغیرہ ان کی مسائل کے متعلق گفتگو ابن عباس سے کم ہے، حالانکہ وہ ابن عباس سے بڑے عالم ہیں، اسی طرح تابعین کی گفتگو صحابہ کرام سے زیادہ ہے، حالانکہ صحابہ کرام تابعین سے بڑے اہل علم تھے، ایسے ہی تبع تابعین کی گفتگو تابعین سے زیادہ ہے حالانکہ تابعین ان سے بڑے اہل علم تھے۔

لہٰذا بہت زیادہ روایات اور تحریروں کا نام علم نہیں ہے، بلکہ یہ تو ایک روشنی ہوتی ہے جو اللہ تعالی کی جانب سے دل میں ڈال دی جاتی ہے، اس روشنی کی مدد سے انسان حق و باطل میں فرق کرتا ہے اور اس کا مختصر اور آسان لفظوں میں حکم بیان کر دیتا ہے"[(1)]

چوتھی علامت: کسی بھی رونما ہونے والے واقعے کی حیثیت اور حقیقت تو دور کی بات ہے اس کی تصدیق سے پہلے ہی اس پر تبصرہ کر دینا۔

آپ ملاحظہ کریں گے کہ کسی بھی ملک میں کوئی بھی مسئلہ پیدا ہو تو فوری طور پر ایسے لوگوں میں سے کوئی نہ کوئی ٹی وی چینلز، انٹرنیٹ یا دیگر ابلاغی وسائل کے ذریعے تجزیہ کاری کرتے ہوئے حکم لگا رہا ہو گا، کسی نہ کسی کو تنقید کا نشانہ بنائے گا اور مجوزہ حل پیش کر رہا ہو گا، یہ سب کا سب معاملے کے بارے میں مکمل تفصیلات سامنے آنے سے پہلے ہو رہا ہو گا، حالانکہ ہونا تو یہ چاہیے کہ جب تک معاملات واضح نہیں ہو جاتے، حقیقت عیاں نہیں ہو جاتی، اس

---

(1) دیکھیں کتاب: "بیان فضل علم السلف علی علم الخلف" صفحہ: (57)

واقعے کا پس منظر اور ارد گرد کے حالات و واقعات سامنے نہیں آتے اس وقت تک کچھ بھی کہنے سے پہلے یہ دیکھیں کہ اس بارے میں بات کرنا مصلحت کے مطابق ہو گا یا نہیں؟ اور اگر بات کرنی بھی ہے تو کیا کہنا ہے؟

اللہ کا فرمان ہے:

﴿وَ اِذَا جَآءَهُمْ اَمْرٌ مِّنَ الْاَمْنِ اَوِ الْخَوْفِ اَذَاعُوْا بِهٖ ؕ وَ لَوْ رَدُّوْهُ اِلَى الرَّسُوْلِ وَ اِلٰۤى اُولِی الْاَمْرِ مِنْهُمْ لَعَلِمَهُ الَّذِیْنَ یَسْتَنْۢبِطُوْنَهٗ مِنْهُمْ ؕ﴾ [النساء:83]

''اور جب کوئی امن کی یا خطرے کی خبر ان تک پہنچتی ہے تو اسے فوراً اڑا دیتے ہیں۔ اور اگر وہ اسے رسول یا اپنے کسی ذمہ دار حاکم تک پہنچاتے تو وہ ایسے لوگوں کے علم میں آ جاتی جو اس سے صحیح نتیجہ اخذ کر سکتے ہیں۔''

اس آیت کی تفسیر میں سعدی کہتے ہیں:

"اس آیت میں کسی بھی بات کو سن کر فوری طور پر نشر کرنے سے روکا گیا ہے، نیز بات کو سن کر اس پر تبصرہ کرنے سے پہلے غور و فکر کا حکم دیا گیا ہے کہ کیا اس معاملے میں بات کرنا مصلحت کے مطابق ہے تو بات کرے اور اگر نہیں تو پھر گریز کرے"(1)

اسی طرح سیدنا علی کہتے ہیں:

"جلد باز، باتوں کو پھیلانے والے اور لوگوں میں بات نشر کرنے والے مت بنو، کیونکہ [اگر تم ایسے بن گئے تو] تمہاری وجہ سے لمبے چوڑے وسیع و عریض فتنے کھڑے ہو جائیں گے"(2)

اسی طرح ابن مسعود کہتے ہیں:

"عنقریب کچھ مشتبہ امور رونما ہوں گے تو تم نے صبر و تحمل سے کام لینا ہے؛

---

(1) تفسیر سعدی

(2) اس اثر کو امام بخاری نے "ادب المفرد" (327) میں روایت کیا ہے اور البانی نے اسے صحیح کہا ہے۔

کیونکہ برائی میں سرغنہ بننے سے بہتر یہ ہے کہ انسان خیر کے کام میں کسی کے پیچھے چل پڑے"[(1)]

حقیقت میں یہی راسخ اہل علم کا طریقہ کار ہے کہ ان کی طبیعت میں ٹھہراؤ ہوتا ہے جلد بازی نہیں ہوتی؛ کیونکہ کتنے ہی لوگ ہیں جنہوں نے بات کرتے ہوئے جلد بازی سے کام لیا تو بعد میں علم ہوا کہ جس بنیاد پر بات کی گئی تھی وہ بنیاد ہی کھوکھلی تھی، یا پھر جس انداز سے خبر پہنچی وہ خبر ہی غلط تھی، یا اس واقعے کو غلط رنگ اور سمت دی گئی، یا اسی طرح کے کوئی اور مؤثر عوامل ملنے پر اپنی کہی ہوئی بات پر ندامت کا شکار ہونا پڑا، بلکہ ایسا بھی ممکن ہے کہ لوگوں کے ہاں اس کی جلد بازی اور طیش کی وجہ سے قدر و قیمت ہی گر گئی۔

یہی وجہ ہے کہ نبی ﷺ کا فرمان ہے: (نرمی کسی بھی چیز میں ہو وہ اسے مزین بنا دیتی ہے اور جس چیز سے نرمی چھین لی جائے تو وہ بھدی بن جاتی ہے)[(2)]

اسی طرح آپ ﷺ نے اشج عبد القیس کے متعلق فرمایا تھا: (تمہارے اندر دو خوبیاں ہیں اللہ تعالی انہیں پسند فرماتا ہے: حلم اور طبیعت میں ٹھہراؤ)[(3)]

چنانچہ طبیعت میں نرمی، ٹھہراؤ، عجلت سے دوری یہ سب دیندار، عقلمند اور پختہ عزائم والے لوگوں کی صفات ہیں۔

نیز ایک شرعی اور عقلی اصول بھی ہے کہ: "کسی چیز کا حکم ذہن میں اس کے تصور سے مترشح ہوتا ہے"

جب راسخ علمائے کرام ہی خاموشی اختیار کریں تو نچلے طبقے کے لوگوں کو ویسے ہی خاموش رہنا چاہیے؛ کیونکہ راسخ علمائے کرام کو زیادہ علم ہوتا ہے کہ کس جگہ کیا بات کرنی ہے

---

(1) اسے ابن وضاح نے "البدع" (159) میں اور بیہقی نے "شعب الایمان" (297/7) میں روایت کیا ہے۔
(2) مسلم (2594)
(3) مسلم (17)

اور کس جگہ بات کرنے کا فائدہ ہوتا ہے اور کس جگہ نہیں ہوتا، لہٰذا نچلے طبقے کے تشنگان علوم کا سینہ بھی اسی طرح فراخ ہونا چاہیے جس طرح بڑے علمائے کرام کا ہے۔

پانچویں علامت: علامہ، محدث اور امام جیسے بڑے بڑے القابات کو اپنے لیے پسند کرنا۔

اہل علم اور بڑی عظیم صلاحیتوں کے مالک علمائے کرام سے یہ مشہور ہے کہ وہ اپنے آپ کو انتہائی معمولی فرد سمجھتے ہیں، وہ اپنے آپ کو اس مقام کا اہل نہیں سمجھتے کہ انہیں بڑے بڑے القابات سے نوازا جائے، جس قدر ان کے علم میں پختگی آتی جاتی ہے، انہیں اسی بقدر اپنے بارے میں علم ہوتا جاتا ہے کہ انہیں کیا کیا چیز معلوم نہیں ہے، انہیں پتا چل جاتا ہے کہ کتنی بڑی مقدار میں علم سے اب بھی بہرہ ور نہیں ہو سکے، سلف صالحین کی سیرت پڑھنے سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ کس قدر اپنے آپ کو معمولی سمجھتے تھے۔

یہ اہل بدعت کا طریقہ کار رہا ہے کہ وہ نااہل لوگوں کو بڑے بڑے القاب دیتے ہیں تا کہ لوگوں میں دھوکا دہی سے ان کے باطل نظریات پھیلائے جائیں۔

چنانچہ شاطبیؒ اہل بدعات کی علامات ذکر کرتے ہوئے کہتے ہیں:

"متقدمین مشہور و معروف اہل علم اور نیک لوگ جن کا اپنا ایک حلقہ ہے انہوں نے جن کے متعلق مذمت کی ہے انہی کو بڑے بڑے القاب دیتے ہیں اور سلف صالحین کی مخالفت کے دلدادہ اور شاذ موقف رکھنے والے افراد کی مدح سرائی کی جاتی ہے۔

خارجیوں کی جانب سے صحابہ کرام کو نعوذ باللہ کافر قرار دینا اس علامت کی اصل اور بنیاد ہے؛ کیونکہ خارجیوں نے ان لوگوں کے بارے میں نازیبا الفاظ استعمال کئے ہیں جن کی اللہ تعالی اور رسول اللہ ﷺ نے مدح سرائی فرمائی، بلکہ تمام سلف صالحین ان کی خوبیوں اور کارناموں کے معترف ہیں، اس کے بر عکس

خارجیوں نے ان لوگوں کے بارے میں اچھے کلمات کہے جن کی سلف صالحین نے متفقہ طور پر مذمت بیان فرمائی، جیسے کہ سیدنا علی کے قاتل عبدالرحمن بن ملجم کے بارے میں اچھے الفاظ استعمال کئے ہیں -آگے چل کر امام شاطبیؒ کہتے ہیں- جب آپ کو کوئی اسی ڈگر پر چلتا ہوا نظر آئے تو وہ اہل سنت کے مخالف فرقوں میں سے ہے،اللہ تعالی سمجھنے کی توفیق دے" (1)

میں امید کرتا ہوں کہ صرف انہیں صفات پر اکتفا کرنا کافی ہے؛ کہ ان صفات کی بناپر جو لوگ راسخ العلم نہیں ہیں ان کو پہچاننا ممکن ہو، یہی لوگ جدید مسائل میں آگے آکر خود تو گمراہ ہوتے ہی ہیں دوسروں کو بھی گمراہ کرتے ہیں، اور بڑے افسوس کی بات ہے کہ آج کل ان کی تعداد بھی بہت زیادہ ہے۔

خارجیوں کی جانب سے جن لوگوں کو بڑاعلامہ، فہامہ بناکر پیش کیا گیااس پر تھوڑی سی گہری نظر ڈال لیں تو ہمیں اس غلط چال کی خطرناکی کااندازہ ہو جائے گا۔

آپ مصر میں دیکھ لیں جب ادیبوں اور مفکرین کو علماء اور مشائخ کہا گیا جیسے کہ سید قطب کے ساتھ ہوا ہے تو اس کے نتیجے میں بہت بڑے بڑے شر اور فساد بپاہوئے، یہی معاملہ جہیمان اور اس کے رفقاء کے ساتھ ہوا تھا، بلکہ آج جو کچھ بھی ہو رہا ہے اس میں اسی غلط چال کے اثرات ہیں۔

❀❀❀❀

(1) الاعتصام(740)

تیسرا مبحث:

حکمرانوں پر عوام الناس کے سامنے برملا طعن و تشنیع

مسلم معاشرے میں استحکام اور ٹھہراؤ دو بڑی بنیادوں پر قائم ہوتا ہے:

1۔ اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت۔

2۔ علمائے کرام اور اہل حل و عقد کی اطاعت۔

ان دونوں بنیادوں کو اللہ تعالی نے ایک ہی آیت میں ذکر کرتے ہوئے فرمایا:

﴿ يَاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اَطِيْعُوا اللّٰهَ وَ اَطِيْعُوا الرَّسُوْلَ وَ اُولِي الْاَمْرِ مِنْكُمْ ﴾

[النساء:59]

''اے ایمان والو! اللہ تعالی کی اطاعت کرو، رسول کی اطاعت کرو اور حکمران کی بھی کرو۔''

اسی طرح صحیح مسلم میں ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: (اللہ تعالی تمہارے لیے تین چیزوں کو پسند فرماتا ہے اور تین چیزوں کو ناپسند کرتا ہے: پسندیدہ امور یہ ہیں کہ: تم صرف اسی کی عبادت کرو اس کے ساتھ کسی کو شریک مت ٹھہراؤ، اللہ تعالی کی رسی کو مضبوطی سے تھام لو اور گروہ بندی میں مت پڑو۔ اور ناپسندیدہ امور یہ ہیں: قیل و قال کرنا [اڑتی پھرتی بے بنیاد باتیں کرنا]، کثرت سے سوال کرنا، اور مال ضائع کرنا)(1)

امام مالک اور دیگر محدثین نے اس روایت کے الفاظ میں یہ بھی ذکر کیا ہے کہ: (جن

---

(1) صحیح مسلم (1715)

لوگوں کو اللہ تعالی نے تم پر حکمرانی دی ہے ان کی خیر خواہی کرو)[1]

اسی طرح آپ ﷺ کا یہ بھی فرمان ہے: (تین چیزوں کے متعلق کسی بھی مسلمان کا دل کمی نہیں کرتا: اللہ کے لیے اخلاص عمل، مسلمان حکمرانوں کی خیر خواہی، ملت کاالتزام۔ بیشک [مسلمانوں کی اجتماعی] دعا انہی کے لیے ہوتی ہے)[2]

ابن تیمیہ کہتے ہیں کہ:

"ان سب روایات میں تین چیزیں یکجاہیں: اخلاص، حکمران کے لیے خیر خواہی اور مسلمانوں کی جماعت کاالتزام۔

یہی تینوں چیزیں دین میں بنیاد اور اساس جیسی اہمیت رکھتی ہیں، ان میں اللہ تعالی کے بندوں پر حقوق بھی شامل ہیں، ان میں دنیااور آخرت کے فائدے بھی یکجا ہیں: اس کی تفصیل یہ ہے:

حقوق دو قسم کے ہوتے ہیں: حقوق اللہ اور حقوق العباد، تو حقوق اللہ یہ ہیں کہ ہم اللہ کی عبادت کریں اور کسی کو اس کا شریک نہ بنائیں، جیسے کہ حدیث کے الفاظ میں بھی یہ چیز واضح ہےاور حدیث کے دوسرے الفاظ میں اخلاصِ عمل سے یہی مراد ہے۔

پھر حقوق العباد دو قسم کے ہیں: خاص اور عام:

خاص حقوق العباد میں والدین کے ساتھ حسن سلوک، اہل خانہ اور پڑوسی کے حقوق وغیرہ تو یہ دینی لحاظ سے فروعی حقوق ہیں؛ کیونکہ ایسا ممکن ہے کہ کسی مکلف آدمی پر یہ سب حقوق لازم نہ ہوتے ہوں، ویسے بھی ان حقوق کی ادائیگی

---

(1) دیکھیں: موطا (1796)، احمد (327/2)، ابن حبان (182/8)، مسند ابو عوانہ (168/4)، سنن کبری از بیہقی (163/8)

(2) ترمذی (2658)، ابن ماجہ (230)، احمد (225/3) ودیگر نے اسے روایت کیا ہے، اسے البانی نے صحیح ابن ماجہ (187) میں صحیح کہا ہے۔

سے انفرادی فائدہ حاصل ہوتا ہے۔

جبکہ عام حقوق العباد کا تعلق دو قسم کے افراد سے ہوتا ہے: حکمران اور رعایا، چنانچہ ان میں سے حکمران طبقے کا حق یہ ہے کہ ان کی خیر خواہی کریں اور رعایا کا حق یہ ہے کہ اجتماعیت قائم رکھیں؛ کیونکہ لوگ آپس میں متحد اور متفق ہوں گے تو تب ہی مفادات عامہ حاصل ہونگے، اور مسلمان کبھی گمراہی پر متفق نہیں ہوتے، بلکہ اگر مسلمان اللہ تعالی کی رسی کو اجتماعیت کی شکل میں پکڑیں تو ان کے دینی اور دنیاوی تمام اغراض و مقاصد پورے ہو جائیں گے، اس تفصیل سے معلوم ہوا کہ حدیث مبارکہ میں موجود امور میں تمام کے تمام دینی اصول کو تحفظ دیا گیا ہے۔"[1]

اس بنا پر حکمرانوں کے خلاف کھلم کھلا لعن طعن کرنا ان کی پگڑی اچھالنا تفرقہ اور انتشار کا باعث ہے، اس کی وجہ سے لوگوں کے دلوں میں حکمران کے خلاف بغض پیدا ہوگا اور امن وامان دگرگوں ہو جائے گا نیز بے چینی پھیلے گی۔

سہل تستری کہتے ہیں:

"جب تک لوگ حکمران اور علمائے کرام کا احترام کرتے رہیں گے خیر میں ہوں گے، اگر لوگ ان دو قسم کے افراد کی عزت کریں گے تو اللہ تعالی ان کی دنیا و آخرت سنوار دے گا، اور اگر انہیں کو طعن و تشنیع کا نشانہ بنائیں گے تو اپنی دنیا و آخرت خراب کر بیٹھیں گے"[2]

اسی طرح ایک اور جگہ کہتے ہیں:

"اس امت کے 73 فرقے ہوں گے، ان میں سے 72 تباہ ہو جائیں گے اور یہ سب کے سب حکمرانوں سے نفرت کرنے والے ہوں گے، کامیاب وہی ہو گا جو

---

(1) مجموع الفتاوی(18/1)
(2) تفسیر قرطبی(260/5)

حکمران کے ساتھ ہو گا"(1)

اسی طرح بربہاری کہتے ہیں:

"جب کسی کو حکمران کے خلاف بد دعا کرتے دیکھو تو ذہن نشین کر لو کہ وہ بدعتی ہے، اور اگر تم دیکھو کہ کوئی حکمران کی بہتری کے لیے دعا کرتا ہے تو جان کہ وہ سنت کے راستے پر ہے"(2)

شیخ ابن عثیمین کہتے ہیں:

"تمہیں اللہ کا واسطہ ہے کہ حکمران کے ساتھ بات چیت اور معاملات کے لیے سلف صالحین کا منہج اپنائیں، حکمرانوں کی غلطیوں کو فتنہ پروری کے لیے استعمال مت کریں، لوگوں کے دلوں کو حکمرانوں سے متنفر مت کریں؛ کیونکہ یہ فساد کی جڑ ہے، اس کی وجہ سے فتنے پیدا ہوتے ہیں۔

چنانچہ جس طرح حکمرانوں کے خلاف دلوں کو بھڑکانے کی وجہ سے فتنے رونما ہوتے ہیں بالکل اسی طرح علمائے کرام کے خلاف بھی لوگوں کو اکسانے سے اہل علم کی شان میں کمی آتی ہے اور اس کا نتیجہ یہ نکلتا ہے کہ لوگ دین سے بیزار ہو جاتے ہیں۔

لہذا اگر کوئی شخص علمائے کرام اور حکمرانوں کے مقام اور مرتبے کو کم کرنے کی کوشش کرتا ہے تو اس سے قانون کی بالا دستی اور امن و امان تباہ ہو جائے گا؛ کیونکہ اگر لوگ علمائے کرام پر زبان درازی کریں گے تو ان کی بات سے اعتماد اٹھ جائے گا اور اگر حکمرانوں کے خلاف زبان درازی کریں گے تو حکمرانوں کی اطاعت ختم ہو جائے گی اور شر و فساد رونما ہو گا۔

اس لیے ضروری امر یہ ہے کہ حکمرانوں کے متعلق سلف کا طریقہ کار کیا تھا اس

---

(1) ابو طالب مکی نے اسے قوت القلوب (242/2) میں نقل کیا ہے۔

(2) شرح السنہ (133)

بارے میں جاننا از بس ضروری ہے، اپنے آپ کو قابو میں رکھ کر پہلے نتائج پر اچھی طرح نظر دوڑائے۔

یہ بات بھی واضح ہو جائے کہ انقلابی تحریکیں چلانے والے اسلام دشمن قوتوں کو فائدہ پہنچاتے ہیں، اس لیے انقلابی تحریکوں اور جذباتی ابال کی جانب نہیں دیکھیں گے بلکہ حکمت اور دانائی سے کام لیں گے۔

اب یہاں پر حکمت اور دانائی سے میری مراد یہ نہیں ہے کہ غلطیوں پر خاموشی اختیار کر لی جائے، بلکہ غلطی کی اصلاح کر کے بہتری کی جانب گامزن ہوں نہ کہ انقلاب بپا کریں، لہٰذا خیر خواہ وہی ہے جو حالات کو بہتر بنائے نہ کہ انقلاب بپا کرے"[1]

احادیث مبارکہ میں حکمرانوں کو نصیحت کرنے کا طریقہ بیان کیا گیا ہے کہ یہ صرف علیحدگی میں ہو، جیسے کہ رسول اللہ ﷺ کا فرمان ہے: (جو شخص حکمران کو نصیحت کرنا چاہتا ہے تو سب کے سامنے نصیحت مت کرے، البتہ ہاتھ سے پکڑ کر علیحدگی میں چلا جائے، اگر قبول کر لے تو بہتر ہے بصورتِ دیگر اس نے اپنی ذمہ داری نبھادی ہے)[2]

سعید بن جبیر کہتے ہیں:

"ایک آدمی نے ابن عباس سے عرض کیا: میں اپنے امیر کو نیکی کا حکم دوں؟ تو اس پر سعید بن جبیر نے کہا: اگر تمہیں خدشہ ہو کہ وہ تمہیں قتل کر دے گا تو پھر حکمران پر زبان درازی مت کرو، اور اگر آپ نے لازمی طور پر نصیحت کرنی

---

(1) دیکھیں؛ رسالہ (حقوق الراعي والرعية) اسی طرح دیکھیں: "معاملة الحكام في ضوء الكتاب والسنة" از شیخ عبدالسلام بر جس آل عبدالکریم آخر الذکر کتاب اس مسئلے میں بہترین کتاب ہے۔

(2) احمد (403/3) مسند شامیین از طبرانی (94/2) السنہ از ابن ابی عاصم (1096) اور دیگر نے اسے روایت کیا ہے، البانی نے اسے ظلال السنہ (507/2) میں صحیح قرار دیا ہے۔

ہے تو پھر صرف علیحد گی میں کرو"[1]

ابن نحاس کہتے ہیں کہ :

"حاکم وقت کے ساتھ سب کے سامنے بات کرنے کی بجائے علیحد گی میں بات کرنا بہتر عمل ہے، بلکہ اگر خفیہ اور تنہائی میں اس طرح بات کی جائے کہ کوئی تیسرا شخص موجود نہ ہو تو یہ سب سے بہتر ہے"[2]

شیخ عبدالعزیز بن باز کہتے ہیں :

"حکمرانوں کے عیوب لوگوں میں عام کرنااور اسے اپنی تقاریر کا حصہ بنانا سلف کا منہج نہیں ہے؛ کیونکہ اس سے انقلابی تحریکیں پیدا ہوتی ہیں، حکمرانوں کی نافرمانی کے مواقع پیدا ہوتے ہیں اور نتیجہ غیر مفید بلکہ نقصان دہ بغاوت کی صورت میں نکلتا ہے، البتہ سلف صالحین کا طریقہ کار یہ ہے کہ حکمران سے براہِ راست بات کریں، یا خط لکھ دیں یا ایسے علمائے کرام سے بات کریں جن کا حکمران سے رابطہ ہے، تاکہ وہ حکمران کی صحیح رہنمائی کریں۔

برائی کا رد برائی کرنے والے کا نام لیکر نہیں کیا جاتا بلکہ صرف برائی کا رد کیا جاتا ہے، اس لیے زنا، شراب نوشی، رباخوری وغیرہ کی مذمت کریں لیکن ان کاموں کا ارتکاب کرنے والوں کا نام مت لیں، صرف برائی کی مذمت کریں کرنے والا کون ہے؟ اس کا نام مت لیں چاہے وہ حکمران ہے یا عوام"[3]

❀❀❀❀

---

(1) اسے ابن ابی شیبہ نے (74/15) روایت کیا ہے۔

(2) "تنبیہ الغافلین عن أعمال الجاھلین وتحذیر السالکین من أفعال الھالکین" (64)

(3) مجموع فتاوی ابن باز (210/8)

چوتھا مبحث:

مظاہرے، مارچ، دھرنے اور ہڑتالوں کا حکم

مظاہرے، مارچ، دھرنے اور ہڑتال بھی خروج اور بغاوت کی صورتیں ہیں، ان کا مقصد یہ ہوتا ہے کہ حکومت پر دباؤ ڈال کر اپنے مطالبات منوائے جائیں، ان سے بھی بے چینی اور انتشار پھیلتا ہے، امورِ زندگی میں خلل اور رخنے پیدا ہوتے ہیں، نیز شر پسند عناصر کو اپنی منفی کاروائیاں کرنے کا موقع ملتا ہے، آخر کار معاملات پہلے سے بھی بگڑ جاتے ہیں، یہ باتیں زمینی حقائق اور عینی مشاہدات سے بھی ثابت شدہ ہیں۔

ان تمام امور میں سے کسی ایک کا تعلق بھی اسلام سے نہیں ہے؛ کیونکہ مسلمانوں میں اس قسم کی فضول حرکات پائی ہی نہیں جاتیں؛ کیونکہ مسلمانوں کا [سیاسی نظریہ] شرعی ضوابط اور ٹھوس اصولوں پر قائم ہے؛ چنانچہ اگر مسلمان کو حکمران میں پائی جانے والی خامیوں پر نصیحت کرنے بھی پڑے تو وہ تنہائی اور علیحدگی میں کرنے کا حکم دیا گیا ہے؛ کیونکہ اگر نصیحت اعلانیہ کی جائے تو اس کی وجہ سے خرابیاں جنم لیتی ہیں، تو لوگوں کا مجمع بنا کر انہیں اکٹھا کر کے بھرے مجمعے میں ایسی باتیں کرنا تو بالاولی منع ہو گا۔

لہٰذا یہ تمام امور دینِ اسلام میں داخل کئے گئے ہیں اور یہ خود ساختہ امور ہیں؛ کیونکہ اہل سنت کے ہاں مسلمہ شرعی قاعدہ اور اصول ہے کہ:

> "ہر ایسا کام جس کے اسباب عہدِ نبوی میں پائے گئے یا عہدِ صحابہ میں پائے گئے یا پہلی تین افضل صدیوں میں وہ اسباب موجود تھے لیکن پھر بھی وہ کام بغیر کسی رکاوٹ کے نہیں کئے گئے، تو اسے اب کرنا بدعت ہے۔"

چنانچہ ابوداود اور دیگر کتب حدیث میں ہے کہ: عمر بن عبدالعزیز نے سلفی منہج بیان کرتے ہوئے ایک عظیم تحریر لکھی اور کہا:

"کسی نے عمر بن عبد العزیز سے قدر کے متعلق سوال کرتے ہوئے خط لکھا تو اس کا جواب تحریر کرتے ہوئے آپ نے کہا: حمد وصلاۃ کے بعد: میں تمہیں تقوی الہی کی نصیحت کرتا ہوں، اللہ تعالی کے احکامات پر میانہ روی سے چلو اور نبی ﷺ کی سنت پر گامزن رہو، سنت عام ہو جانے کے بعد بدعتی لوگوں کی بدعات سے دور رہو، تمہیں ان کی ضرورت نہیں ہے، اپنے آپ کو سنت پر کار بند رکھو یہ سنت ہی اللہ کے حکم سے آپ کی نجات کا باعث ہو گی۔

یہ بھی ذہن نشین رکھو کہ: لوگ کوئی بھی بدعت ایجاد کریں تو اس سے پہلے ہی اس بدعت کے خلاف صریح یا کنایۃً دلائل گزر چکے ہوتے ہیں۔ یہ بھی واضح رہے کہ سنتیں ایسی شخصیت نے طے کی ہیں جسے علم تھا کہ سنتوں کی خلاف ورزی خطا محض اور بیوقوفی ہے، اس لیے تم بھی اسی چیز کو اپناؤ جسے سلف نے اپنایا؛ کیونکہ انہوں نے کوئی بھی عمل علم کی بنا پر کیا اور کچھ [کام انہوں نے نہیں کیئے وہ] دور اندیشی کی وجہ سے ترک کیئے، اس کی وجہ یہ تھی کہ وہ معاملات کی چھان پرکھ انتہائی قوی انداز میں کرنے کی صلاحیت رکھتے تھے، اگر اس [متروکہ عمل] میں کوئی ثواب یا اجر ہوتا تو وہ اس کے سب سے پہلے حقدار بنتے، اگر تمہارے اعمال ہدایت کے مطابق ہوتے تو وہ تم سے پہلے ان پر عمل پیرا ہوتے، اور اگر تم یہ کہو کہ یہ امور ان کے بعد رونما ہوئے تو ان کے موجدین سلف کے راستے سے ہٹ چکے ہیں، انہوں نے اپنے آپ کو جادۂ سلف سے ہٹا دیا ہے، سلف صالحین نیکیوں کے لیے بعد میں آنے والے لوگوں سے کہیں زیادہ حریص تھے، انہوں نے شرعی امور کے بارے میں کافی شافی معلومات دے دی ہیں؛ لہذا اب ان کی تعلیمات اور معلومات کے بعد نہ اس میں کسی قسم کی مزید وضاحت کی ضرورت ہے اور نہ ہی ان سے بڑھ کر کوئی وضاحت کر سکتا ہے؛ یہی وجہ ہے کہ

کچھ لوگوں نے ان کی وضاحت اور تفصیلات میں کمی کی کوشش کی تو سنگ دل ہو گئے اور کچھ لوگوں نے ان سے آگے بڑھنا چاہا تو وہ غلو میں واقع ہو گئے، حالانکہ ان دونوں کے مابین ہدایت اور راہِ مستقیم تھی"

شیخ الاسلام ابن تیمیہ اسی اصول کو بیان کرتے ہوئے کہتے ہیں:

"اس کے لیے ضابطہ یہ ہے کہ یوں کہا جائے:

لوگ کوئی بھی چیز اچھی سمجھ کر ہی ایجاد کرتے ہیں اگر وہ اسے برائی ہی سمجھیں تو اس بدعت کو کیوں ایجاد کریں! کیونکہ برائی ایجاد کرنے کی بات عقل اور دین ہر ایک کے منافی ہے۔ لہٰذا جس کام کو مسلمان فائدے کی چیز سمجھیں تو جن اسباب کی بنا پر اسے فائدہ مند سمجھا جا رہا ہے اسے دیکھیں اگر یہ ضرورت نبی ﷺ کی وفات کے بعد ہماری سستی کے بغیر رونما ہوئی تو پھر ایسی صورت میں ضرورت کے مطابق نیا کام ایجاد ہو سکتا ہے[1] یا پھر اس کام کی ضرورت تو نبی ﷺ کے دور میں موجود تھی لیکن آپ ﷺ نے کسی مصلحت کی بنا پر اس کام کو نہیں کیا اور وہ رکاوٹ نبی ﷺ کی وفات کے ساتھ ختم ہو گئی تب بھی ایجاد کی گنجائش ہے۔[2]

یا نیا کام ایجاد کرنے کی ضرورت ہی موجود نہیں ہے، یا نیا کام ایجاد کرنے ضرورت لوگوں کے گناہوں کی وجہ سے پیش آتی ہے تو ایسی صورت میں نیا کام ایجاد کرنا جائز نہیں ہو گا۔

لہٰذا کوئی بھی کام جس کی ضرورت رسول اللہ ﷺ کے عہد میں تھی لیکن آپ ﷺ نے وہ کام نہیں کیا تو معلوم ہوا کہ اس کام میں کوئی فائدہ نہیں ہے، اور اگر کسی کام کی ضرورت

---

(1) جیسے کہ قرآن مجید کو ایک جگہ جمع کرنے کا عمل نبی ﷺ کی وفات کے بعد ہوا اور اس کی ضرورت مسلمانوں کی سستی کی وجہ سے محسوس نہیں کی گئی بلکہ نو مسلموں کی ضرورت قرآن مجید کو یکجا کرنے کا باعث بنی۔

(2) جیسے کہ تراویح ایک امام کے پیچھے پڑھنے کا عمل

آپ ﷺ کی وفات کے بعد اللہ تعالی کی نافرمانی کے بغیر رونما ہو تو پھر ایسے کام کی ضرورت مصلحت قرار پاسکتی ہے"[(1)]

میں یہ کہتا ہوں کہ: یہی بات صحابہ کرام کے متعلق بھی ہے کہ اگر کسی کام کی ضرورت عہد صحابہ اور سلف میں موجود تھی لیکن پھر بھی اس کام کو نہیں کیا گیا تو اس سے معلوم ہوا کہ اس کے کرنے کا اب بھی فائدہ نہیں ہے۔

چنانچہ یہ بات تو واضح ہے کہ مظاہرے، مارچ، دھرنے اور ہڑتالوں وغیرہ کا سبب یا تو حاکم کی جانب سے ظلم ہوتا ہے یا حقوق کی تلافی ہوتی ہے یا قانون کو معطل قرار دینا یا اسی طرح کا کوئی اور ہدف باعث ہوتا ہے، اب چونکہ یہ سب ضروریات عہدِ سلف میں بھی پائی گئیں لیکن پھر بھی سلف کی جانب سے ایسے امور سامنے نہیں آئے تو اس سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ تمام کام شریعت میں شامل نہیں ہیں، ان امور سے اجتناب ہی سلف کا موقف ہے، تو اگر جن مقاصد کے لیے مظاہرے اور دھرنے وغیرہ دیئے جائیں وہی سنت سے متصادم ہوں بلکہ بدعتی اور ہوس پرستی پر مشتمل ہوں تو ان کا ممنوع ہونا بالا ولی ثابت ہو گا۔

راسخ علمائے کرام کا بھی یہی فتوی ہے، چنانچہ:

شیخ عبد العزیز بن باز کہتے ہیں:

"حق بات قبول ہونے یا کرنے میں اسلوب کا بڑا عمل دخل ہے، چنانچہ اچھے اسلوب سے حق بات قبول کر لی جاتی ہے جب کہ شدت اور سختی سے حق بات رد ہو جاتی ہے، بلکہ سخت اسلوب سے ماحول مزید بگڑ جاتا ہے، باتوں باتوں سے معاملہ آگے نکل کر ہتھا پائی اور لڑائی جھگڑے تک بھی بات پہنچ جاتی ہے۔

اسی میں کچھ لوگوں کی طرف سے کیے جانے والے مظاہرے بھی شامل ہیں ان کی وجہ سے مظاہرین کے نمائندگان کو پریشانیوں کا سامنا کرنا پڑتا ہے، یہی وجہ

---

(1) اقتضاء الصراط المستقیم (278/1)

ہے کہ سڑکوں پر نکلنے والے مارچ اور مظاہرین اصلاح اور بہتری کا راستہ نہیں اپناتے، بلکہ کسی خرابی کی اصلاح کا طریقہ کار یہی ہے کہ خود جا کر متعلقہ لوگوں سے ملیں،ان کے ساتھ مل کر خط وکتابت کریں، ملکی صدر، سربراہ یا علاقے کے چوہدری سے اسی طرح تعامل کریں اس میں سختی اور شدت مت اپنائیں۔

نبی ﷺ مکہ میں تیرہ سال تک رہے آپ نے کبھی بھی مظاہرے اور مارچ کرنے کا راستہ نہیں اپنایا نہ ہی آپ ﷺ نے ان کے مال و جان کو کوئی اندیشہ پہنچایا۔

یہ یقینی بات ہے کہ یہ انداز دعوت اور دعاۃ دونوں کے لیے نقصان دہ ہے، اس سے پھلتی پھولتی دعوت کو نقصان پہنچتا ہے، حکومتی سطح پر ہر ممکن طریقے سے دعوتی سرگرمیوں کے لیے رکاوٹیں کھڑی کی جاتی ہیں، حکومتی سطح پر ان اقدامات کا مقصد بھی خیر ہی ہوتا ہے لیکن حقیقت میں نقصان ہو جاتا ہے۔

اس لیے دعوت الی اللہ کا فریضہ اپنانے والے شخص کو بجائے راہِ دعوت میں رکاوٹوں کا باعث بننے کے رسولوں اور انبیائے کرام کے منہج پر گامزن رہنا چاہیے چاہے اس کے لیے کتنا ہی لمبا عرصہ انتظار کرنا پڑے، نیکی کرنے کی طاقت اور برائی سے بچنے کی ہمت اللہ تعالی ہی دینے والا ہے"(1)

اسی طرح شیخ ابن عثیمین سے ہڑتال کرنے کے متعلق پوچھا گیا تو انہوں نے جواب دیا:

"یہ سوال مسلمان نوجوانوں کے لیے انتہائی حساس ہے؛ کیونکہ اپنا کاروبار ہو یا حکومتی ملازمت ہڑتال کرنے کے لیے کسی بھی صورت میں کوئی شرعی دلیل نہیں ہے، ہڑتال کرنے کی وجہ سے اس کے منفی اثرات کے مطابق نقصانات بھی یقینی ہوتے ہیں"(1)

---

(1) مجموع فتاوی ابن باز(525/6)

(1) دیکھیں: الصحوۃ الإسلامیۃ ضوابط وتوجیهات(168)

اسی طرح شیخ صالح الفوزان حفظہ اللہ سے ایک سوال پوچھا گیا:

امت اسلامیہ کی دگرگوں حالت کو تبدیل کرنے کے لیے مظاہرے کرنا کیا دعوتی وسائل میں شامل ہے؟

اس پر انہوں نے جواب دیا:

"ہمارا دین انتشار اور بے چینی کا دین نہیں ہے، ہمارا دین ہمیں ہر کام منظم انداز میں کرنے کی ترغیب دیتا ہے، یہ دین پر سکون دین ہے، اس لیے مظاہرے کرنا مسلمانوں کا کام نہیں اور نہ ہی یہ مسلمانوں کی ثقافت ہے، دین اسلام تو سلامتی، رحمت اور پر سکون رہنے کا دین ہے، اس دین میں بے چینی، انتشار، تشویش اور فتنہ پروری کا تصور بھی نہیں ہے۔

اپنے حقوق حاصل کرنے کے لیے اس کے علاوہ بھی طریقہ اپنایا جا سکتا ہے کہ قانونی چارہ جوئی کی جائے اور دیگر قانونی راستے اپنائیں جائیں۔

ان مظاہروں کی وجہ سے بڑے بڑے فتنے رونما ہوتے ہیں، ان میں بے گناہوں کا خون رائیگاں جاتا ہے، املاک اور دیگر مملوکہ اشیا تباہ و برباد ہو جاتی ہیں، ان تمام امور کی وجہ سے مظاہرے کرنا جائز نہیں ہے"[1]

یہ بات ہم پہلے جان چکے ہیں کہ ان مظاہروں میں حکومتوں پر دباؤ ڈالنے کے لیے منفی طریقے اپنائے جاتے ہیں بالکل اسی طرح جیسے عثمان کے خلاف بغاوت کرنے والوں نے ایک مقرر وقت پر مدینہ میں پہنچ کر آپ کے گھر کا گھیراؤ کر لیا تھا اور معاملہ آپ کے قتل تک جا پہنچا، پھر جو فتنہ اور انتشار پھیلا وہ اس پر مستزاد تھا۔ اسی طرح حمات، الجزائر میں جتنے بھی مظاہرے ہوئے ان سے بھی فتنے اور خرابیاں پیدا ہوئیں، معصوم جانیں ضائع گئیں۔

تو کیا اب بھی سمجھنے والا کوئی ہے!!

---

(1) دیکھیں: الأجوبة المفيدة على أسئلة المناهج الجديدة (217)

پانچواں مبحث:

سلف کے منہج سے ہٹ کر گروہ بندی

قرآن مجید میں دو قسم کی گروہ بندی کا ذکر ملتا ہے، ان میں سے کچھ تو قابل ستائش ہیں جیسے کہ اللہ کی جماعت کے متعلق فرمایا اور کچھ مذموم بھی ہیں

قابل ستائش جماعت میں وہی ہے جو ملت اور حکمران کے ساتھ ہو، حق، سنت نبوی اور سلف صالحین کے منہج پر گامزن ہو اپنے مخالفین سے کسی قسم کا تعصب نہ رکھے، تو ایسی جماعت سے اللہ تعالی محبت فرماتا ہے، ایسی جماعت کا ذکر دو جگہ ملتا ہے:

1۔﴿وَ مَنۡ یَّتَوَلَّ اللّٰہَ وَ رَسُوۡلَہٗ وَ الَّذِیۡنَ اٰمَنُوۡا فَاِنَّ حِزۡبَ اللّٰہِ ھُمُ الۡغٰلِبُوۡنَ ﴿۵۶﴾﴾ [المائدة:56]

''جو کوئی اللہ کو اور اس کے رسول کو اور ان لوگوں کو دوست بنائے جو ایمان لائے ہیں تو یقیناً اللہ کی جماعت ہی غالب آنے والی ہے۔''

﴿لَا تَجِدُ قَوۡمًا یُّؤۡمِنُوۡنَ بِاللّٰہِ وَ الۡیَوۡمِ الۡاٰخِرِ یُوَآدُّوۡنَ مَنۡ حَآدَّ اللّٰہَ وَ رَسُوۡلَہٗ وَ لَوۡ کَانُوۡۤا اٰبَآءَھُمۡ اَوۡ اَبۡنَآءَھُمۡ اَوۡ اِخۡوَانَھُمۡ اَوۡ عَشِیۡرَتَھُمۡ ؕ اُولٰٓئِکَ کَتَبَ فِیۡ قُلُوۡبِھِمُ الۡاِیۡمَانَ وَ اَیَّدَھُمۡ بِرُوۡحٍ مِّنۡہُ ؕ وَ یُدۡخِلُھُمۡ جَنّٰتٍ تَجۡرِیۡ مِنۡ تَحۡتِھَا الۡاَنۡھٰرُ خٰلِدِیۡنَ فِیۡھَا ؕ رَضِیَ اللّٰہُ عَنۡھُمۡ وَ رَضُوۡا عَنۡہُ ؕ اُولٰٓئِکَ حِزۡبُ اللّٰہِ ؕ اَلَاۤ اِنَّ حِزۡبَ اللّٰہِ ھُمُ الۡمُفۡلِحُوۡنَ ﴿۲۲﴾﴾ [المجادله:22]

''جو لوگ اللہ اور آخرت کے دن پر یقین رکھتے ہیں۔ آپ کبھی انہیں ایسا نہ پائیں گے کہ وہ ایسے لوگوں سے دوستی لگائیں جو اللہ اور اس کے رسول کی مخالفت کرتے ہوں، خواہ وہ ان کے باپ ہوں یا بیٹے ہوں یا بھائی یا کنبہ والے ہوں، یہی لوگ ہیں جن کے دلوں میں اللہ نے ایمان ثبت کر دیا ہے اور اپنی طرف سے

ایک روح کے ذریعہ انہیں قوت بخشی ہے۔ اللہ انہیں ایسے باغوں میں داخل کرے گا جن کے نیچے نہریں بہ رہی ہوں گی۔ وہ ان میں ہمیشہ رہیں گے۔ اللہ ان سے راضی ہو گیا اور وہ اس سے راضی ہوئے یہی اللہ کی پارٹی ہے۔ سن لو! اللہ کی پارٹی کے لوگ ہی فلاح پانے والے ہیں۔"

ان دونوں آیتوں میں سے پہلی مومنوں کے ساتھ دوستی اور دوسری کافروں کے ساتھ دشمنی کے متعلق ہیں۔

مذموم گروہ بندی کی دو قسمیں ہیں:

1۔ مسلمانوں کے حکمران اور ملت اسلامیہ سے ہٹ کر بننے والی گروہ بندی۔

2۔ کتاب و سنت اور منہج سلف سے ہٹ کر بننے والی گروہ بندی۔

مثلاً کوئی شخص مسلمان حکمران سے الگ اپنی ایک جماعت بنا لے اور ملکی قوانین کی پاسداری کی بجائے اپنی اطاعت لازمی قرار دے، یا کتاب و سنت کی بجائے لوگوں کے فہم اور ان کے نظریات کو بنیاد بنا کر دھڑے بندی کرنا شروع کر دے۔ قرآن مجید میں اس طرح کی گروہ بندیوں کی کئی مواقع پر مذمت بیان کی گئی ہے، فرمانِ باری تعالی ہے:

﴿فَتَقَطَّعُوْٓا اَمْرَهُمْ بَيْنَهُمْ زُبُرًا ۭ كُلُّ حِزْبٍۢ بِمَا لَدَيْهِمْ فَرِحُوْنَ ۝﴾

[المؤمنون:53]

"بعد کے لوگوں نے اپنے دین کو آپس میں ٹکڑے ٹکڑے کر لیا ہر گروہ کے پاس جو کچھ ہے اسی میں خوش ہے۔"

اسی طرح ایک اور مقام پر فرمایا:

﴿مُنِيْبِيْنَ اِلَيْهِ وَاتَّقُوْهُ وَاَقِيْمُوا الصَّلٰوةَ وَلَا تَكُوْنُوْا مِنَ الْمُشْرِكِيْنَ ۝ مِنَ الَّذِيْنَ فَرَّقُوْا دِيْنَهُمْ وَكَانُوْا شِيَعًا ۭ كُلُّ حِزْبٍۢ بِمَا لَدَيْهِمْ فَرِحُوْنَ ۝﴾

[الروم:31,32]

''اسی کی طرف رجوع کرتے ہوئے (اسی بات پر قائم ہو جاؤ) اور اس سے ڈرتے رہو اور نماز قائم کرو اور ان مشرکوں سے نہ ہو جاؤ[31] جنہوں نے اپنا دین الگ کر لیا اور گروہوں میں بٹ گئے۔ ہر گروہ کے پاس جو کچھ ہے وہ اسی میں مگن ہے۔''

لہٰذا ہوس پرستی اور بدعات کی بنیاد پر گروہ بندی اور اسی طرح کتاب و سنت کے سلف کے فہم سے ہٹ کر بننے والا اتحاد اور گروہ مسلمانوں میں تفرقے اور فتنے کا بہت بڑا سبب ہے، لہٰذا جو لوگ حق و باطل کی تمیز کئے بغیر اپنے گروہ کی حمایت کرتے ہیں، اپنی جماعت کے منشور کی جانب دعوت دینے کے لیے سر توڑ کوشش کرتے ہیں چاہے دلائل کو توڑ موڑ کر پیش کرنا پڑے، اسی منشور کو ماننے کو دوستی یا دشمنی کا معیار قرار دیتے ہیں، تو حقیقت میں یہی لوگ ملت اسلامیہ سے خارج ہیں۔

دین کی بنیاد اصل میں مؤمنوں کے باہمی ایمانی رابطے پر قائم ہے، اس ایمانی رابطے میں شخصیت، ملک، رجحانات کسی بھی چیز کو دخل نہیں ہوتا، مومن کے ایمان کے مطابق ایمانی رابطہ مضبوط اور استوار ہوتا ہے۔

فرمانِ باری تعالی ہے:

﴿إِنَّ أَكْرَمَكُمْ عِندَ اللَّهِ أَتْقَاكُمْ﴾ [الحجرات:13]

''بیشک اللہ تعالی کے ہاں سب سے بلند مرتبے والا وہی ہے جو زیادہ متقی ہے۔''

ابن تیمیہ کہتے ہیں:

"کسی بھی جماعت یا شخصیت سے نسبت اگر مسلمانوں میں تفریق کا باعث بنے، اس تعلق کی وجہ سے ملت سے دوری، باہمی اتحاد سبوتاژ ہو، بدعتی راستے پر چلنا پڑے، راہِ سنت چھوڑنا پڑے تو پھر ایسا تعلق اور نسبت رکھنے والا شخص گناہ گار ہے

اور ایسی نسبت شریعت میں منع بھی ہے "(1)

اسی طرح شیخ عبدالعزیز بن باز کہتے ہیں:

"اگر کوئی فرد واحد یا جماعت کتاب اللہ اور سنت رسول اللہ ﷺ کی جانب دعوت دے، وحدانیتِ الٰہی اور اتباعِ شریعت کی جانب بلائے تو یہی حقیقی ملت ہے اور وہ فرقہ ناجیہ میں شامل ہے، اور اگر کوئی شخص کتاب اللہ یا سنت رسول اللہ کو چھوڑ کر کسی جانب دعوت دے تو وہ ملت میں شامل نہیں ہے، بلکہ وہ گمراہ کن فرقہ ہے، فرقہ ناجیہ تو کتاب وسنت کے داعیان پر مشتمل ہوتا ہے، چاہے اس منہج پر چلنے والے افراد چیدہ چیدہ ملکوں اور خطوں میں بکھرے ہوئے ہوں چونکہ ان کا منہج ایک ہے اس لیے وہ ایک ہی ملت ہیں "(2)

شیخ ابن عثیمین کہتے ہیں:

"شریعت میں جماعت کا مطلب یہ ہے کہ اللہ عزوجل کی شریعت پر سب جمع ہوں، اسی جماعت کے متعلق رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: (میری امت کا ایک گروہ ہمیشہ حق پر قائم رہے گا، انہیں رسوا کرنے کی کوشش کرنے والا اور ان کی مخالفت کرنے والا کبھی کامیاب نہیں ہو گا یہاں تک کہ اللہ کا حکم آجائے گا اور وہ اسی نہج پر قائم ہوں گے) یہ ہے وہ جماعت جس کے ساتھ منسلک ہونا واجب ہے، جبکہ ایسی جماعتیں جو صرف اپنی ذاتی رائے کو ہی سچ سمجھے چاہے وہ اس کے لیے سیاہ کو سفید ہی کیوں نہ کرنا پڑے تو ایسی جماعتوں کے ساتھ منسلک ہونا جائز نہیں ہے؛ کیونکہ ان سے منسلک ہو کر انسان ملت سے اظہار براءت کرتا ہے اور ایسی جماعت سے تعلق بناتا ہے جس سے منسلک ہونے پر فرقہ واریت اور اختلافات جنم لیتے ہیں۔

---

(1) مجموع الفتاوی(514/11)

(2) مجموع فتاوی ابن باز(182/08)

فرمانِ باری تعالیٰ ہے:

﴿اِنَّ الَّذِیْنَ فَرَّقُوْا دِیْنَهُمْ وَ كَانُوْا شِیَعًا لَّسْتَ مِنْهُمْ فِیْ شَیْءٍ ؕ اِنَّمَاۤ اَمْرُهُمْ اِلَى اللّٰهِ ثُمَّ یُنَبِّئُهُمْ بِمَا كَانُوْا یَفْعَلُوْنَ ۝﴾ [الأنعام:159]

''بیشک جن لوگوں نے اپنے دین کو فرقوں میں تقسیم کر دیا اور وہ گروہوں میں بٹ گئے آپ کا ان سے کوئی تعلق نہیں ہے۔ ان کا معاملہ تو صرف اللہ کے سپرد ہے وہی انہیں ان کی کارستانیاں بتلائے گا۔''

ایک مقام پر فرمایا:

﴿شَرَعَ لَكُمْ مِّنَ الدِّیْنِ مَا وَصّٰى بِهٖ نُوْحًا وَّ الَّذِیْۤ اَوْحَیْنَاۤ اِلَیْكَ وَ مَا وَصَّیْنَا بِهٖۤ اِبْرٰهِیْمَ وَ مُوْسٰى وَ عِیْسٰۤى اَنْ اَقِیْمُوا الدِّیْنَ وَ لَا تَتَفَرَّقُوْا فِیْهِ ؕ﴾

[الشوری:13]

''اس نے تمہارے لئے دین کا وہی طریقہ مقرر کیا جس کا نوح کو حکم دیا تھا اور جو ہم نے آپ کی طرف وحی کیا ہے اور جس کا ابراہیم، موسیٰ اور عیسیٰ کو حکم دیا تھا کہ دین کو قائم رکھو اور اس میں تفرقہ نہ ڈالنا۔''

ایک اور مقام پر فرمایا:

﴿وَ لَا تَكُوْنُوْا كَالَّذِیْنَ تَفَرَّقُوْا وَ اخْتَلَفُوْا مِنْۢ بَعْدِ مَا جَآءَهُمُ الْبَیِّنٰتُ ؕ وَ اُولٰٓىِٕكَ لَهُمْ عَذَابٌ عَظِیْمٌ ۝﴾ [آل عمران:105]

''اور ان لوگوں کی طرح مت ہو جاؤ جو واضح نشانیاں آنے کے بعد بھی فرقوں میں بٹ گئے اور اختلاف کرنے لگے، یہی لوگ ہیں جن کے لیے دردناک عذاب ہے۔''

نیز اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی ﷺ کو مخاطب کرتے ہوئے فرمایا:

﴿اِنَّ الَّذِیْنَ فَرَّقُوْا دِیْنَهُمْ وَ كَانُوْا شِیَعًا لَّسْتَ مِنْهُمْ فِیْ شَیْءٍ ؕ﴾

[الأنعام:159]

''بیشک جن لوگوں نے اپنے دین کو فرقوں میں تقسیم کر دیا اور وہ گروہوں میں بٹ گئے آپ کا ان سے کوئی تعلق نہیں ہے۔''

لہٰذا ایسی تمام جماعتیں جن کا ہدف اسلام کی سربلندی ہے ان کے لیے ضروری ہے کہ آپس میں منافرت پیدا نہ ہونے دیں، ان پر واجب ہے کہ یک جان بن جائیں بالکل اسی طرح جیسے کہ رسول اللہ ﷺ اور آپ کے صحابہ کی جماعت تھی، یہی بات رسول اللہ ﷺ نے یہ حدیث بیان کرتے ہوئے بتلائی تھی کہ:

(یہ امت 73 فرقوں میں بٹے گی اور ایک کے علاوہ سب جہنم میں جائیں گے)

کہا گیا: اللہ کے رسول! وہ کون سا فرقہ ہے؟ تو آپ ﷺ نے فرمایا: (جو میرے اور میرے صحابہ کرے منہج پر ہوگا)''[1]

نیز قابل ستائش گروہ بندی کی ایک خوبی یہ بھی ہے کہ اس میں نیکی اور مثبت سرگرمیوں میں ایک دوسرے کے ساتھ تعاون کو تقویت ملتی ہے کہ ایک منظم شکل میں کتاب وسنت، عقیدہ توحید، صحیح سلفی عقیدہ اور سلف صالحین کا طریقہ کار لوگوں میں عام ہوتا ہے، دوسروں سے تعصب اس میں نہیں پایا جاتا، بلکہ مذموم دھڑے بندی کی صفات بھی اس میں شامل نہیں ہوتیں۔

مثلاً: کچھ لوگ مل کر اللہ تعالی کی جانب دعوت دینے کے لیے، تعلیم و تربیت عام کرنے کے لیے یا پھر رفاہِ عامہ کے کام سرانجام دینے کے لیے متحد ہو کر کام کرتے ہیں اسی میں مساجد، اسلامی مراکز اور شرعی علوم کے انسٹی ٹیوٹ کا قیام بھی شامل ہے۔

اسی تعاون کی فضا کے متعلق اللہ تعالی کا فرمان ہے:

﴿وَ تَعَاوَنُوْا عَلَى الْبِرِّ وَ التَّقْوٰى ۠ وَ لَا تَعَاوَنُوْا عَلَى الْاِثْمِ وَ الْعُدْوَانِ ۠ وَ اتَّقُوا اللّٰهَ ؕ اِنَّ اللّٰهَ شَدِيْدُ الْعِقَابِ ۝﴾ [المائدۃ:2]

---

(1) فتاوی نور علی الدرب

''نیکی اور تقوی کے کاموں میں باہمی تعاون کرو گناہوں اور زیادتی کے کاموں میں تعاون مت کرو، اور اللہ سے ڈرو بیشک اللہ کا عذاب سخت ہے۔''

لیکن اس کے لیے شرط یہ ہے کہ مقصد صرف اعلائے کلمۃ اللہ ہی ہونا چاہیے، اپنی جماعت کی سربلندی مقصود نہ ہو، اسی طرح اعلائے کلمۃ اللہ کی کوشش حکمرانوں کے خلاف بغاوت کے بغیر ہونی چاہیے۔

ابن تیمیہ گروہ بندی اور دھڑے بازی کے متعلق گفتگو کرتے ہوئے کہتے ہیں:

"اگر گروہ بندی کے بعد وہ اللہ اور رسول اللہ ﷺ کے احکامات پر بغیر کسی کمی اور بیشی کے قائم دائم ہوں تو ان کا حکم مومنوں والا ہے، ان کی ذمہ داریاں اور واجبات سب مومنوں والے ہوں گے، لیکن اگر انہوں نے شرعی احکامات میں کمی بیشی کی یعنی جو ان کی جماعت میں شامل ہو صرف اسی سے دوستی باقی تمام سے تعصب رکھیں تو یہ کام اللہ تعالی اور رسول اللہ کی جانب سے مذموم کاموں میں شامل ہے؛ کیونکہ اللہ اور اس کے رسول ﷺ نے باہمی اتفاق اتحاد اور متحد ہونے کا حکم دیا ہے انتشار اور تفرقہ بازی سے منع فرمایا ہے، نیکی اور تقوی کے کاموں میں باہمی تعاون کا حکم دیا ساتھ میں گناہ اور زیادتی کے کاموں میں تعاون سے روکا"(1)

شیخ عبدالعزیز بن باز سے اسلامی ممالک میں نوجوانوں کی شرعی رہنمائی کے لیے اسلامی جماعتیں اور تنظیمیں بنانے کے حوالے سے پوچھا گیا کہ ایسا کرنا عصرِ حاضر میں مثبت اقدام ہو گا؟ تو انہوں نے فرمایا:

"اسلامی تنظیموں کا وجود مسلمانوں کے لیے خیر کا باعث ہے، تاہم ان جماعتوں کی ذمہ داری یہ ہے کہ وہ حق بات دلیل کے ساتھ واضح کریں، آپسی اختلافات

---

(1) مجموع الفتاوی (92/11)

میں مت پڑیں، باہمی تعاون کی فضا کو فروغ دیں اور دوسری تنظیموں کے لیے بھی خیر کی امید رکھیں، ان کے محاسن اور خوبیاں بیان کریں، ایسی باتوں سے گریز کریں جن سے دیگر تنظیموں کے ساتھ تعلقات میں سرمہری پیدا ہو، لہٰذا اگر یہ جماعتیں کتاب اللہ اور سنت رسول اللہ ﷺ کی دعوت دیتی ہیں تو ان میں کوئی حرج نہیں ہے"[1]

ایک اور جگہ آپ نے ارشاد فرمایا:

"اگر کسی بھی اسلامی ملک میں خیر و بھلائی کے لیے تنظیمیں وجود میں آئیں، نیکی اور تقوی کی بنیاد پر باہمی تعاون کی فضا کو پروان چڑھائیں، آپسی اختلافات میں نہ پڑیں تو اس میں خیر و برکت ہے اس کے مثبت فوائد بہت ہیں۔

اور اگر یہ باہمی طور پر دست گریبان رہیں ایک دوسرے پر تنقید ان کا شیوہ ہو تو پھر اس کے نقصانات اور منفی اثرات بھی بہت زیادہ ہوتے ہیں۔

اس لیے علمائے کرام کی ذمہ داری بنتی ہے کہ حقائق سب کے سامنے رکھیں ہر تنظیم سے براہِ راست بات چیت کریں اور سب کو یہی نصیحت کریں کہ راستہ اور جادہ وہی اپنائیں جو اللہ تعالی نے اپنے بندوں کو دیا ہے، اسی راہ کے راہی بنیں جس کی دعوت رسول اللہ ﷺ نے دی ہے۔ البتہ جو شخص اس راہ پر نہیں چلتا اور شخصی مفادات کو مقدم رکھتے ہوئے ہٹ دھرمی اور ضد پر اتر آئے یا اپنے خفیہ ایجنڈے کو تکمیل تک پہنچانے کے لیے ڈٹ جائے تو پھر اس کی علی الاعلان برائی بیان کرنا ضروری اور واجب ہے، جو شخص ٹھوس بنیادوں پر حقیقت جان لے تو وہ دوسروں کو اس سے بچنے کی تلقین کرے تا کہ لوگ مزید اس کے پیچھے مت چلیں، اور نئے لوگ اس کے ساتھ شامل مت ہوں، نیز اللہ تعالی کے بتلائے

---

(1) مجموع فتاوی ابن باز(272/5)

ہوئے راستے کی جانب متوجہ ہو جائیں، اللہ تعالی کا فرمان ہے:

﴿وَ اَنَّ هٰذَا صِرَاطِيْ مُسْتَقِيْمًا فَاتَّبِعُوْهُ ۚ وَ لَا تَتَّبِعُوا السُّبُلَ فَتَفَرَّقَ بِكُمْ عَنْ سَبِيْلِهٖ ؕ ذٰلِكُمْ وَصّٰىكُمْ بِهٖ لَعَلَّكُمْ تَتَّقُوْنَ ﴾[الأنعام:153]

''اور بلاشبہ یہی میری سیدھی راہ ہے لہٰذا اسی پر چلتے جاؤ اور دوسری راہوں پر نہ چلو ورنہ وہ تمہیں اللہ کی راہ سے ہٹا کر جدا جدا کر دیں گی اللہ نے تمہیں انہی باتوں کا حکم دیا ہے شاید کہ تم (کجروی سے) بچ جاؤ۔''(1)

خفیہ یا اعلانیہ طور پر حکمران کی اطاعت سے الگ ہونے والی جماعتیں یا اہل سنت و الجماعت کے منہج سے روگردانی کرنے والی تنظیمیں خروج اور فساد کے ذرائع میں سے ہیں۔

اس کے بارے میں ہم پہلے بھی بیان کر چکے ہیں کہ جو جماعتیں شرعی مقاصد کے علاوہ دیگر اہداف کے لیے قائم ہوئیں تو ان سے کتنا نقصان ہوا، کتنی قیمتی جانیں ضائع گئیں، مسلمانوں میں انتشار اور بے چینی پیدا ہوئی، اہل علم کو سختیوں اور تنگیوں کا سامنا کرنا پڑا، مثال کے طور پر عبداللہ بن سبا کی قائم کردہ تنظیم کی وجہ سے فتنوں کے دروازے چوپٹ کھل گئے، اسی طرح مصر اور شام میں رونما ہونے والے فتنے ہمارے سامنے ہیں، ایسے ہی جہیمان کی کارستانیاں کسی سے مخفی نہیں! ایسے ہی الجزائر اور القاعدہ کا فتنہ کسی سے خفیہ نہیں ہے، یہ سب کے سب کتاب و سنت سے متصادم تنظیمیں اور دھڑے ہیں، یہ سب کی سب فردی رائے اور لوگوں کی ذہنی اختراعات پر قائم ہیں، اس کے نقصانات کتنے ہوئے یہ ہم پہلے ذکر کر چکے ہیں۔

❀❀❀❀

(1) مجموع فتاوی ابن باز (203/5)

اختتامیہ

اللہ تعالی سے دعا گو ہوں کہ پہلے ذکر کردہ تفصیلات امت کے لیے مشعلِ راہ ثابت ہوں، مسلمان نوجوانوں کے لیے ان میں رہنمائی ہو، یہ تعلیمات امت کی ترقی اور بلندی میں مثبت کردار ادا کریں۔

اسی طرح میری اللہ تعالی سے یہ بھی دعا ہے کہ میری یہ کاوش امت کو غلط نظریات اور کھوکھلے دعووں سے بچاؤ کا ذریعہ بھی بنے، امت اس وقت گمراہ کن نظریات سے نبرد آزما ہے۔

اللہ تعالی سے یہ بھی دعا ہے کہ اللہ تعالی مکاروں کی مکاری انہی کی تباہی کا ذریعہ بنادے اور اپنے دین اور ولیوں کو غلبہ عطا فرمائے۔

❀❀❀❀